شہیدِ کربلا

قرآن کی روشنی میں

از

ابو محمد مصلح

شائع کردہ

اِدارۂ عالمگیر تحریک قرآن مجید

حیدر آباد دکن

مولوی سید محمد حسین جعفری ناظمِ تعلیمات سرکارِ عالی نے مسلمان بچّوں کے لئے قرآن مجید کی بامعنیٰ تعلیم ضروری قرار دیکر میرے دل کو "موہ" لیا ہے۔ لہٰذا میں باظہارِ تشکّر اپنی اس اچھوتی تصنیف کو ان کے اِسمِ گرامی کے ساتھ معنون کرنے کی مسرّت حاصل کرتا ہوں۔

خادمِ قرآن

ابو محمد مصلح

پیام!

قوم کے اُن نوجوانوں کے نام جو
"قرآن کی روشنی" میں "قیامِ حکومتِ الٰہیہ"
کے لئے کچھ کرنا چاہیں۔

ہمیشہ دست بسر مے زنی چہ شد فیضی
مگر ز دستِ تو کارے دگر نمی آید!

"مصلح"

فذکر بالقرآن العظیم

۱۹۶۲ء

زآنہا کہ خواندہ ام ہمہ از یادِ ما برفت

الا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنم!

"رمزِ قرآن از حسینؓ آموختیم!"

آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد | عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد
آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؓ | سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر | معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل | دوشِ ختم المرسلینؐ نعم الجمل
سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او | شوخیِ ایں مصرع از مضمونِ او

درمیانِ اُمّت آں کیواں جناب	ہمچو حرفِ قُلْ هُوَاللّٰه در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید	ایں دو قوّت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوّتِ شبّیری است	باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت	حریّت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الاُمم	چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت	لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد	موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است	پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر	خود نکردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد	دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود	یعنی آں اجمال را تفصیل بود

عزمِ او چوں کوہساراں استوار | پائدار و تُند سیر و کامگار
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس | مقصدِ او حفظِ آئین است و بس
ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست | پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد | ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید | از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت | سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم | ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت | سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز | تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیکِ دُور اُفتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

اقبال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجھے نہیں معلوم کہ سیّدنا حسین ابن علی علیہ السّلام کے بے نظیر کارنامے "واقعاتِ کربلا" قرآنی نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں یا نہیں۔ جن کے گھر میں قرآن اترا، جن کے نانا پر قرآن نازل ہوا، جن کے دولت سرا میں جبرئیل امین وحی لیکر آتے رہے، جو قرآنی گودوں میں پلے، جو قرآنی گہواروں میں کھیلے، جن کے والد بزرگوار سب سے پہلے قرآن پر ایمان لائے اور جن کی والدۂ محترمہ

آسیا گردان و لب قرآن سرا

ظاہر ہے کہ وہ سراپا قرآن ہوں گے، اُن کی ہر حرکت قرآنی ہوگی۔ اُن کا آخری اور حاصلِ زندگی کارنامہ تعلیماتِ قرآن پر مبنی ہوگا۔

نوعِ انسانی کو قرآن پر چلنے کے لئے کہا گیا ہے مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ جو کچھ جانیں قرآن سے جانیں۔ ہر معاملہ اور ہر شخص کو قرآنی معیار پر جانچیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ اپنے فرض سے کوتاہی ہوگی۔ اپنے پیدا کرنے والے کے حکم سے سرتابی ہوگی اور واقعاتِ کربلا ہی پر نہیں بلکہ قرآن پر بھی ظلم ہوگا۔

پس! اس لحاظ سے شاید یہ کتاب اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہو۔

خونِ ما وقفِ دمِ خنجرِ یار است اینجا!

اے جنون وقتِ تو خوش باش بہار است اینجا!

سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ قیامِ "حکومتِ الٰہیہ" کے لئے کیا اور ایک مسلمان سے قرآن کا یہ پہلا مطالبہ ہے۔ اس لئے "شہیدِ کربلا، قرآن کی روشنی میں" لکھی گئی،

لیکن واقعات، حدیث شریف اور تاریخ و سیرت سے لئے گئے ہیں۔

اصلِ دیں آمد کلام اللہ معظّم داشتن!

پس حدیثِ مصطفیٰؐ برجاں مسلّم داشتن!

قرآن نے خالص اور بے جھجک خدا پرستی کا جو سبق دیا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کی روح کو سمجھا اور بدرجہ اتم پورا کیا۔ اس لئے آپؑ کی محبّت یہ ہے کہ آپؑ کی اس سنّت کو فراموش نہ کیا جائے اور جو کچھ آپؑ کے نام سے کیا جائے "خدا پرستی" کے لئے کیا جائے نہ کہ "حسین پرستی" کیلئے۔

اے بے تو حرام زندگانی! خود بے تو کدام زندگانی!

ہر زندگی کہ بے تو باشد مرگیست بنام زندگانی!

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے

"فعّالیت" کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے لکھا گیا ہے نہ کہ "انفعالیت" کا

عالم طاری کرنے کے لئے۔ کیونکہ بالعموم ہر انسان کو اور بالخصوص ہر مسلمان کو قرآن جو زندگی دینا چاہتا ہے، ہمارے پیشِ نظر اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

مرا غمے است کہ پیدا نمی توانم کرد!

حکایتِ دلے شیدا نمی توانم کرد!

چونکہ عام انسانوں کا تو کیا، خود مسلمانوں کا زاویۂ نگاہ بھی "قرآنی" نہیں رہا ہے اور "قیامِ حکومتِ الٰہیہ" کے لئے فدویت اور قربانیوں کے مزے سے قلوب ناآشنا ہو گئے ہیں۔ اس لئے نقطۂ نظر کے فرق نے صورتِ حال کو بھی کچھ سے کچھ کر دیا ہے۔ ایک طرف "نواسۂ رسولؐ" کے تقدس کا خیال ہے تو دوسری طرف "بعض الناس" دبی زبان "شکوک و اعتراض" کا اظہار بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے لئے بھی

انشاءاللہ "شہیدِ کربلا" قرآن کی روشنی میں "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" کا کام دے گی۔ اور یہ اس کتاب کی تیسری خصوصیت ہوگی۔

تو بطوبےٰ وُ ما بقامتِ یار

فکرِ ہرکس بقدرِ ہمّتِ اوست!

ضمناً اہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے عقیدت کا جو اظہار ہوا ہے "وہ جس کی رحمت بخشش کے لئے بہانے تلاش کرتی ہے" امید ہے کہ اس کو ہمارے خاندان والوں کے لئے ذخیرۂ عاقبت بنادے۔

وگردعوتم ردکنی یا قبول!

من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ!

اور خود یہ قدسی صفات، متبرک ہستیاں یعنی اہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی چشمِ عنایت بیڑا پار کردینے کے لئے کیا کم ہے۔

آنانکہ خاک را بہ نظرِ کیمیا کنند!

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند!

میرے آقا! اور میرے سردار! سیدنا حضرت امام حسین علیہ السّلام "ایک بلند مرتبہ قرآنی" تھے۔ اس لئے میں شہیدِ کربلا' قرآن کی روشنی میں' "ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن مجید" کی طرف سے پیش کرکے اپنے ایک خوشگوار فرض سے سبکدوش ہونے پر اپنے بزرگ و برتر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس کا یہ روح پرور ارشاد ہے۔ وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ط

بہ تن بویا کند گلہائے تصویرِ نہالی را!

بہ پا بیدار سازد خفتگانِ نقشِ قالی را!

حیدرآباد دکن
۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

محبِ اہلبیت رض
ابو محمد مصلح

خلافت

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ

اور جب تیرے رب کا فرشتوں سے ارشاد ہوا۔ مجھے زمین میں اپنا خلیفہ بنانا ہے، انھوں نے کہا۔ کیا اس میں ایسے لوگ پیدا کئے جائیں گے جو فساد کریں گے۔ اور خون بہائیں گے (اور وہ بھی پھر ہماری موجودگی میں کہ) ہم تیری تسبیح بھی کرتے ہیں اور تقدیس بھی۔ جواب ملا! اس ضرورت کو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت!
حریت را زہر اندر کام ریخت!

خِلافتُ

واقعاتِ کربلا اس وقت تک صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک خلافت کا مفہوم ذہن نشین نہ کرلیا جائے۔ قرآن مجید کی جو آیت اس سلسلے میں درج کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانا مقصود ہوا تو اس کا شرف ظاہر کرنے کے لئے ملاءِ اعلےٰ میں ذکر کیا گیا۔ غرض یہ تھی کہ خدا کی جانب سے خدا کی مخلوق کے درمیان، خدا کے حکم کے موافق عدل جاری کرنے میں خدا کی نیابت کا حق ادا کرنے والی مخلوق پیدا ہو۔

اس لحاظ سے مجموعی طور پر تو ہر انسان خلیفہ ہے۔ لیکن اگر شریعت کے احکام کی پابندی باقی نہ رہے تو خلافت کا

اعزاز بھی جاتا رہے گا۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ پھر اصل چیز "احکامِ خداوندی" کی پابندی ہے۔

بے شک انسانوں میں مفسد بھی ہیں اور خونریز بھی لیکن اسی نوع میں انبیا ؑ و رسل بھی ہیں، صدیقین و شہدا اور صالحین بھی جنھوں نے خلافت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ یہی اسرار و حکمت ہیں جن کا علم ذاتِ باریِ تعالیٰ کو تھا فرشتوں کو نہیں۔ جنھوں نے بالآخر کہا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ خلیفۃ اللہ وہی ہے جو منشائے خداوندی کو پورا کرے، نائب وہی ہے جو نیابت کا حق ادا کرے بے وجہ و بے سبب درخت کی ایک پتی بھی نہ توڑے، پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ کرے۔ خاک کا ایک ذرہ بھی برباد نہ کرے لیکن اگر خدا کا فرمان ہو تو اس کے برعکس سب کچھ کرے۔

اے حکم شرع آب خوردن خطاست!
وگر خوں بفتوے بریزی رواست!

یہاں سے اصلاح فی الارض اور فساد فی الارض کا مطلب بھی واضح ہوا یعنی منشائے خداوندی اور احکامِ شرعیہ کے مطابق جو فرد جو جماعت، جو قوم، جو حکم، جو حکومت، جو حکمران، جو علم، جو عمل، جو تہذیب، جو تمدن، اور جو معاشرت ہو وہ اصلاح فے الارض بلکہ عبادت میں داخل ہے اور جو اس کے برخلاف ہو وہ فساد فی الارض ہی نہیں بلکہ گناہ بھی ہے۔

آیت شریف میں جس خلافت کا ذکر ہوا اس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے سمجھنا چاہیئے۔ انبیاء و مرسلین جتنے بھی گزرے خدا کے خلیفہ ہی تھے۔ اس قسم کی خلافت کا خاتمہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

ہوا وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖن۔

ان میں سے جس کو خدا نے اپنا خلیفہ بنایا' اس کو وحی کے ذریعہ اپنے منشائے سے بھی آگاہ کیا۔ انہیں دستورِ آسمانی کو صحفِ سماوی کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آخری نبی تھے اسی طرح آپؐ پر جو انسانی زندگی کا دستور العمل نازل ہوا وہ بھی آخری ہے۔ اسی لئے قدرت نے اس کی حفاظت کا ذمّہ بھی لیا۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

ان میں کا ہر خلیفہ اپنی اُمّت کا مُطاع تھا لیکن چونکہ اب ختمِ نبوت ہو چکی تھی اس لئے اس آخری نبیؐ کی اُمّت کے لیئے یہ

انتظام ہوا کہ انھیں میں کا ایک شخص خلیفہ مقرر ہو۔ خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنین قرار پائے۔ اسی لئے حکم ہوا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔

نبی ہو خواہ اس کا جانشین سب کو خدا کے حکم پر چلنا اور چلانا ہوتا ہے اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوتی اس لئے دراصل یہ حکم ایک ہی حکم ہوتا ہے۔ دو باتیں نہیں معلوم ہوا کہ یہ خلیفہ اللہ اور بندوں کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتا ہے۔ یہ جو کچھ کرتا ہے خدا کے حکم سے کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے خدا کے حکم سے کہتا ہے اور جو کچھ بولتا ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ ہوتا ہے۔ سچا خلیفہ خلافت الٰہیہ کے قیام میں کسی کی پروا نہیں کرتا وہ اپنے برائیوں کی دشمنی بھی سر لیتا ہے اس کے لئے ہجرت بھی

اختیار کرتا ہے اور جہاد بھی کرتا ہے۔

منصبِ خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے اور کسی حال میں بھی اس میں کسی طرح کی کمی نہیں کرتا۔

اگر اس کے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیا جائے تب بھی اُس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ساری قوم بلکہ ساری دنیا بھی اس کے خلاف اُس کی ایذا رسانی پر آمادہ ہو جائے پھر بھی وہ خدا ہی سے ڈرتا ہے اور ہر حال میں شب و روز وہ تبلیغِ رسالت سے کام رکھتا ہے۔

سب لوگ میدان جنگ سے بھاگ جاتے ہیں مگر وہ دشمن کے مقابلہ میں تنہا ڈٹا رہتا ہے۔ اس کی زبان پر ہوتا ہے میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔

اُس کے ایک ایک ساتھی ایک صلح کے موقعہ پر تھوڑی دیر کے لئے الگ جا بیٹھتے ہیں اور دفعاتِ صلح کو پسند نہیں کرتے مگر وہ تنہا اس کو انجام دیتا ہے۔ اس لئے کہ خدا کا یہی حکم ہے۔

چوری کی علّت میں ایک معزّز قبیلہ کی عورت گرفتار ہو کر آتی ہے وہ حدِّ شرع جاری کرتا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر سفارش پہونچتی ہے۔ جس سے اس کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے۔

"خدا کی قسم اس عورت کی جگہ پر اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی

ہوتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹتا"

قرآن کی یہی عملی تعلیم اس کے بعد اس کے جانشینوں سے بھی صادر ہوتی ہے۔

خلیفۂ اوّل کے دور میں مسلمانوں کی ایک جماعت صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کرتی ہے اس پر وہ جہاد کرتا ہے اور کہتا ہے "اگر دوسرا کوئی میرا ساتھ نہ دے گا۔ جب بھی میں تنہا جہاد کروں گا۔ اور اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا جب تک کہ اُونٹ کی اُس رسّی کو بھی وصول نہ کرلوں جو رسولؐ اللہ کے عہد میں لی جاتی تھی۔

خلیفۂ دوم باوجود اپنے بیمثال کارناموں اور جلال وجبروت کے ایک بدوی سے یہ سننے پر آمادہ ہوتا ہے۔

"عمرؓ اگر تم راہِ حق سے ہٹے تو میری یہ تلوار تم کو سیدھا کردے گی۔"

خلیفۂ سوم کی راہِ اسلام میں قربانیاں مسلّم ہیں لیکن دشمن ان کو نظر بند کردیتے ہیں اور وہ شہید ہوجاتے ہیں۔ مگر حقّ و

صداقت سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے۔

خلیفۂ چہارم اُن سے بھی جن کو اپنا کہا جاتا ہے، جہاد کرنے سے باز نہیں آتے کیونکہ وہ خلافتِ الٰہیہ کا امارت وملوکیت میں تبدیل ہونے دینا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور فساد فی الارض کا اصلی باعث اور فتنہ کا حقیقی منبع۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔

خلیفۂ پنجم اگرچہ صرف ۶ ماہ ہی خلیفہ رہے لیکن کوئی حرف نہیں لاسکتا کہ کتاب وسُنّت کے خلاف کیا ہو۔

ہر کہ بر حق دلیل می گوید !

بچراغ آفتاب می جوید !

اور

ملوکیت کا آغاز

وَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو!

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!

امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر خلافت کا اخیر اور امیر معاویہؓ سے ملوکیت کا آغاز ہوا۔ ممکن تھا کہ اس نوبت پر اچھی طرح کشت و خون ہوتا، انجام تو خدا کو معلوم، مگر عام مسلمان حضرت امام علیہ السلام کا ساتھ دیتے۔ مگر "رحمۃ للعالمین" کے نام لیوا نے اپنی عجیب دریادلی کو کام میں لاکر خلافت سے دستبرداری اختیار کرلی۔ اس پر خود امیر معاویہؓ نے کہا:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند؟

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبرداری جن شرائط پر کی وہ حسب ذیل ہے۔

دستاویزِ شرائط

حسن ابن علی کی طرف سے معاویہ بن سفیان کی طرف ‌میں
ان شرائط پر معاویہ کو حکومت سپرد کرتا ہوں کہ مسلمانوں پر "کتابِ الٰہی"
"سنّتِ رسول اللہ" اور خلفائے راشدین کی پیروی کی جائیگی۔
اس میری دستبرداری کا یہ مطلب نہیں کہ معاویہ کی طرف سے
کوئی بھی جانشین بنا دیا جائے۔ بلکہ اس کا فیصلہ مسلمانوں پر
موقوف ہوگا۔ مسلمانوں کو اختیار ہوگا کہ اللہ کی زمین سے جس کو
چاہیں اپنا امام اور خلیفہ مقرّر کریں۔ خواہ وہ شام سے ہو یا عراق
سے حجاز سے ہو یا یمن سے۔ نیز اولادِ علیؓ کے لئے یہ حق محفوظ
ہوگا کہ وہ جسے چاہیں اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی
مستورات کی حفاظت کے لئے امام تجویز کریں۔ اس صلحنامہ میں

جو عہد میثاق ہیں۔ معاویہؓ کو ان سے تجاوز کا حق نہ ہو گا وَكَفىٰ بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ حررہ ربیع الاول ۴۱ھ۔

پوری دستاویز شرائط میں "خلافت الٰہیہ" کی روح کارفرما ہے۔ اور ایک ہی جذبہ و خیال ہے جو اوّل سے آخر تک عبارت سے ظاہر ہے کہ "ناموسِ الٰہی" کی حفاظت ہو یہی نکتہ ہے جو حضرت امام کو دستبرداریِ خلافت پر آمادہ کرتا ہے کہ "ناموسِ خلافت" کی حفاظت اصل مقصد ہے خواہ اس کو بکر پورا کرے یا عمر۔

قرآنی شان جمہوریت کا یہ مظاہرہ دنیا پیش کرنے سے قاصر رہی ہے اور رہے گی۔"

یہ نکتہ وہی تھا جس کا آغاز خود آنحضرت صلعم کی ذات سے ہوا تھا یعنی خلافت ایک ایسا فرض ہے کہ جو بھی اس کے ادا کرنے کا

اہل ہو اور اس کو ادا کرنا چاہے ادا کرے۔ چنانچہ حضورؐ کا صراحتاً خلافت کے لئے کسی کو نامزد نہیں فرمانا میرے اس دعوے کا ایک ثبوت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ باوجود حضرت علی علیہ السّلام کی موجودگی کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مان لئے گئے تھے تاکہ اسلام میں پاپائیت نہ آجائے۔ اور خاندانی ورثہ بنکر خلافت اپنی روح کو نہ کھودے اور اسی لئے اس کے بعد بھی کسی خلیفہ نے اپنے کسی خاندان والے کو اس منصب کے لئے مقرر نہیں کیا۔ رہے خود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تو انھوں نے بھی اخیر میں خلافت سے دستبردار ہو کر اس اصول پر مُہر فرمادی۔ جس سے ضمناً اس حدیث کی بھی تکمیل ہوئی کہ۔

"یہ میرا بیٹا (حسن) مسلمانوں کی دو بڑی جماعت

"میں صلح کرانے کا باعث ہوگا"

نیز اس پیشنگوئی کی بھی قدرتاً تکمیل ہوئی۔

"میرے بعد خلافت تیس ۳۰ برس ہوگی اور اس کے بعد"

"بادشاہت ہوگی۔"

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیدہ و دانستہ پیشنگوئی پوری کرنے کے لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ خلافت اس کے بعد اب کبھی قائم نہ ہوگی۔ اس لئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور کو باتفاق آراء خلافتِ راشدہ میں شمار کیا گیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن جب تک روئے زمین پر باقی ہے "خلافتِ راشدہ" کا فنا ہونا ناممکن ہے۔

قدرت کا انتظام

دینِ حق کی غرض

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی
وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ

ترجمہ

اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کے ساتھ

بھیجا اور دینِ حق کو اس لئے کہ وہ تمام دینوں پر غالب

ہو

ایک طرف تو امیر معاویہؓ نے امارت کی طرح ڈالی، دوسری طرف قدرت نے یہ انتظام کر دیا کہ معناً اس کا استیصال ہو جائے۔ اور خلافت کی روح پھر زندہ ہو جائے اور بقائے دوام حاصل کرے۔

قرآن حکیم نے انبیاء و رسل کی خلافت کے کارنامے اپنے صفحات میں محفوظ کر رکھے ہیں۔ اس کے پرتو نے ایک اور طرح سے "واقعاتِ کربلا" کی شکل میں اس کی حفاظت کرنے کی ٹھان لی۔ جو آج تیرہ سو برس سے حق پرستوں کے قلوب کو گرمانے کا باعث بنا ہوا ہے اور ہر برس کا پہلا مہینہ اور پہلی تاریخ اس داستانِ حریت و آزادی کو دہراتی ہے اور دہراتی رہے گی اِنَّ فِی ذَالِکَ لَذِکریٰ لِمَن کَانَ

لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔

"سنتِ الٰہی" رہی ہے کہ اس نے "خلافتِ الٰہیہ" کے قیام کے واسطے انبیاؑ ورسل کی بعثت کا سلسلہ قائم کیا اور اب جب کہ "ختمِ نبوت" ہو چکی تو خاندانِ نبوت سے ایک ایسے فرد کے اسوۂ مبارکہ سے اس مقصد کا "زندگی بخش درس" پیش کر دیا جو اُسی فرض کو انجام دینے کا باعث بنا جو ایسے مواقع پر انبیاؑ و مرسلین کی ذات سے پورے ہوتے رہے۔

"قربان جائے قدرت کی اس کارسازی کے اور داد دیجئے اس موقع شناسی کی"۔

یہ کوئی نئی بات نہیں، ظلمت کے ساتھ نور، رات کے ساتھ دن، اور کفر کے ساتھ اسلام کا معاملہ چلا ہی آتا ہے۔ جہاں فرعون و

سحر فرعونی ہے وہاں موسیٰؑ اور عصائے موسیٰؑ بھی ہے۔ ابوجہل، ابولہب اور امیّہ بن خلف کی موجودگی اگر ضروری ہے تو اُن کی سرکوبی کے لئے، محمدؐ عربی صلعم بھی ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!

مگر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ معاملہ کتنا اہم ہے، مقصد کیا ہے؟ مقابل میں کون ہے اور مدِمقابل کون پیش کیا جاتا ہے۔

خدا کی نگاہ میں اس کی مخلوق اتنی پیاری ہے کہ ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی بخشش اور اس کی عطا اتنی وسیع اور عام ہے کہ ہمارے قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔

اور جس کی زندگی کے لئے جو چیز جس قدر ضروری ہے اتنی ہی سہل الحصول اور اتنی ہی ارزاں بھی۔ سورج کی روشنی، پانی اور ہوا کی مثال موجود ہے۔ یہی انتظامات خداوندی ہیں جو ہمیں ایک ذات کے وجود پر ایمان لانے۔ اس کا محکوم بننے اور اس سے محبت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

ڈھونڈھ رہا ہوں چارسو مجھ کو تری تلاش ہے!

جانِ جہاں کہاں ہے تو مجھکو تری تلاش ہے!

اور قدرت کے ان انتظامات میں کیا کوئی کمی کوئی نقص اور کوئی بُخل ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ سورج چمکتا ہے تو کافر مومن سب کے گھر پر۔ بادل برستا ہے تو سب کی کھیتی پر۔ ہوا کی افراط ہے تو سب کے لئے۔

پیغمبرِ آخرالزماں کی تشریف آوری ہوئی تو کافّۃً النّاس کے لئے' قرآن نازل ہوا تو اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْن کی شان کے ساتھ۔ ٹھیک اِسی طرح واقعاتِ کربلا بھی رونما ہوئے تو بلا استثناء ہر قوم کو خدا پرستی اور اس کی راہ میں حق طلبی' حق کوشی' حرّیت نوازی اور جاں نثاری کا سبق دینے کے لئے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

در مسلخِ عشق جز نکو را نکشند!

لاغر صفتان و زشت خو را نکشند!

گر عاشقِ صادقی ز کشتن مگریز

مُردار بود ہر آنکه او را نکشند!

حسینؑ ابنِ علیؑ کا انتخاب

قیامِ خلافت کی اہمیت اور ضرورت اس سے واضح ہے کہ نوعِ انسانی کے پیدا کرنے سے پہلے اس کی تجویز کی گئی کہ ان کا خلیفہ بھی ہونا چاہیے۔ اس کو رسول اللہ صلعم کے صحابہ نے جیسا سمجھا اور اور عمل کیا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جان نثارانِ رسولؐ نے رسولؐ کی تجہیز و تکفین پر بھی قیامِ خلافت کو مقدم رکھا۔ یہ ان کی بے پناہ ذکاوت کا مظاہرہ تھا کہ رسولؐ جس غرض کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے ان کے خیال میں وہ چیز تھی اور رسولؐ کی محبت کے معنی بھی یہی تھے کہ پہلے اس کا انتظام کیا جائے۔ اور اسی لئے بغیر امیر کی زندگی کو ایامِ جہالت یعنی کفر کی موت سے

تعبیر کیا گیا ہے۔

یہاں بھی قدرت نے یہی کیا کہ اِدھر "یزید بن معاویہ" کا قدم تختِ ملوکیت کی طرف بڑھا۔ اور واضح طور پر خلافت کا قلع قمع ہوتا نظر آیا کہ سپر بنا کر "حسین ابن علی" کو آگے کر دیا۔ جنھوں نے اپنی قربانی پیش کر کے صرف یزید ہی نہیں بلکہ یزید قسم کے جتنے لوگ بھی قیامت تک ہوتے رہیں گے اُن کے نخلِ استبداد کی جڑ پر ضرب کاری لگا دی۔

واقعہ کی اہمیت اور وقت کی نزاکت، پیغمبرِ وقت کی متقاضی تھی۔ پیغمبر نہیں تو پیغمبر کا ہمشکل، پیغمبر کا نواسہ اور پیغمبر کے اسوۂ حسنہ پر چلنے والا ہی۔ کیونکہ مسلخِ عشق ہمیشہ بڑی قربانی چاہتا ہے۔ اُس کی جو سب میں بہتر ہو۔ سب سے زیادہ بلند اخلاق ہو۔ نیکوں کا سرا

ہو، عابد و زاہد بھی ہو، شب زندہ دار بھی ہو۔ حاتمِ وقت بھی ہو۔ دلیر
وقوی بھی ہو، صاحبِ عزم بھی ہو، اور صابر وشاکر بھی

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اُٹھی نگہِ انتخاب کی!

لوگ اپنے لئے قربانی کا جانور موٹا تازہ پسند کرتے ہیں،
پھر مسلخِ عشق میں لاغر صفتوں کا کیا کام، زشت خوکس شمار میں۔

"قرآنیوں" کو قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہیے "قربانگاہِ
عشق" کے لئے ہمیشہ اسی طرح کی قربانیاں پیش کی گئی ہیں اور بارگاہِ
ناز میں اسی طرح کی نذریں مقبول ہوئی ہیں۔

ناموسِ شریعت کی حفاظت مقصود تھی، مخلوق کی طاعت
سے منحرف کر کے شرفِ انسانی کو قائم رکھنا تھا، خلافتِ الٰہی اور

حکومتِ انسانی کا فرق ظاہر کرنا تھا نیز اُس کی خاطر جو "قربان گاہ" تیار کی گئی تھی اس کے لئے "نبی زادہ" ہی کی قربانی درکار تھی۔

ہر کہ دریں بزم مقرّب تر است
جامِ بلا بیشترش مے دہند!

اب معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی صلبی نرینہ اولاد کیوں باقی نہیں رکھّی گئی، اور اب ظاہر ہوا کہ رسول اللہ اپنے نواسہ کو اس قدر عزیز کیوں رکھتے تھے۔

آج جس کا "اسوۂ حسنہ" ازدیادِ ایمان کا باعث ہے دنیا دیکھے کہ وقت کو کس طرح اُس نے پہچانا اور وقت آگیا تو کس شان اور کس ادا کے ساتھ اس نے اپنی پوری قربانی پیش کردی۔

مُردار بود ہر آنکہ اورا نکشند!

وقت ہی تو ہے جو کسی کا انتظار نہیں کرتا اور وقت ہی تو ہے جو اپنے وقت پر اگر استعمال نہیں کرلیا گیا تو اس کی کوئی تلافی نہیں ہوسکتی اور وقت ہی تو ہے جو بے بہا ہے اور جس کی کوئی قیمت نہیں۔

دوسروں کے پاس چاہے جو کچھ بھی ہو لیکن اللہ والوں کے پاس وقت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو بھی اگر کھو دیں تو پلے رہ کیا گیا۔ اور جو وقت کو غفلت و بیدردی کے ساتھ لہو و لعب میں کھو دیتے ہیں ان میں اور وقت شناس میں فرق کیا باقی رہے گا۔

آنکس کہ ز غوغانہ رہد وائے بروا   بر خلق جہاں دل نہ دہد وائے بروا
در دستِ فقیر نیست نقدے جز وقت   آں نیز گر از دست دہد وائے بروا

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ! دین است حسینؓ دیں پناہ است حسینؓ!

سر داد نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے "لا الٰہ" است حسینؓ!

(خواجہ اجمیری)

"لا الٰہ" غیر اللہ کی حکومت کی تخریب کے لئے "تیشہ"

اور قیام "حکومت الٰہیہ" کے لئے سنگِ بنیاد ہے"

"مصلح"

حسینؑ ابن علیؑ کی شخصیت

حسینؑ ابن علیؑ کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے انبیاء علیہم السّلام کی شخصیت کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور اس کے لئے قرآن کی تلاوت لازمی۔

دین کیا ہے؟ مرضیِ مولا کا پورا کرنا ــــ مرضیِ مولیٰ کیا ہے؟ یہی کہ ــــ وہ سب حاکموں کا حاکم عملاً تسلیم کیا جائے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ؟ کیا اللہ سب حاکموں کا حاکم نہیں؟ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ۔ ہاں، بے شک، وہ سب حاکموں کا حاکم ہے۔

ایسا شخص خدا سے صلح قائم رکھنے میں اگر ساری دنیا سے بھی

جنگ ناگزیر ہو تو اس کو بخوشی قبول کرتا ہے۔

ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنی ذات سے بھی جنگ کرتا ہے تا آنکہ خدا کے معاملے میں اس کو نفس مطمئنہ حاصل ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو بھی بخوشی جھیل لیتا ہے۔

وہ کسی طاقت سے نہیں ڈرتا اور وہ اس کے انجام کی پروا نہیں کرتا۔ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔ کیوں کہ وہ متقی ہوتا ہے اور متقی کی شان عاقبت پر جا کر منتج ہوتی ہے وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْن۔

یہی سبب ہے کہ نہایت بے پروائی اور سختی کے ساتھ یزید کے ہاتھ کو جھٹک دیا گیا۔ سب کچھ ہو گیا لیکن یہ نہیں ہوا کہ یزید کی بیعت کی جائے۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ　　دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ!

سر داد، نداد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ!

"لَآ اِلٰہ" کہنا تو اسی وقت صحیح ہے جب کہ عملاً بھی اس کا ثبوت موجود ہو۔ آخر عوام اور خواص کے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں کچھ تو فرق ہوگا پھر جو خاصوں کے خاص ہوں ان کے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کیا کہنا۔

حسینؑ ابن علیؑ کی شخصیت، ہمارے سامنے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی عملی تفسیر ہے۔

اگر کوئی شخص اس مبارک ہستی کی شخصیت سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنا چاہے تو وہ شروع سے آخر تک واقعاتِ کربلا کو قرآن کی روشنی میں دیکھے۔ اس کے بعد دعوے کے ساتھ

کہا جاسکتا ہے کہ وہ عام سطح سے بلند ہو جائے گا۔ جہاں نہ کوئی شک

ہو گا نہ اعتراض۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دن سیاہ کمبل

اوڑھے تشریف فرما تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسنؓ آئے آپ نے

اُن کو کمبل میں لے لیا۔ پھر امام حسینؓ آئے۔ اُن کو بھی کمبل میں لے لیا۔

پھر فاطمہ زہراؓ آئیں تو اُن پر بھی کمبل ڈال دیا۔ اخیر میں حضرت علیؓ

آئے تو انھیں بھی کمبل اڑھا دیا اور یہ آیت تطہیر تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

اے اہل بیت! اس کے سوا نہیں کہ اللہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور کر دینا

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

چاہتا ہے اور تم کو اچھی طرح پاک کر دینا چاہتا ہے۔

اللہ کا کلام جس کی شان سے منطبق ہو جائے اور زبان رسالت جس کا مفہوم سمجھا دے اس کی "شخصیت" کے متعلق کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی کب باقی رہ جاتی ہے۔ اور "تطہیر" کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا' کہ وہ ہر طرح کے رجس سے پاک ہوگا جس میں ہر قسم کی غلطیاں بھی ہیں خواہ وہ اجتہادی ہی سہی۔

وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا!

قرآن کا حوالہ گذر چکا۔ احادیث کے حوالے بھی درج ہیں حضور صلعم کا ارشاد ہے۔

"جو کوئی حسین سے لڑے گا میں اس سے لڑونگا'
اور جو ان سے صلح کرے گا اس سے صلح کروں گا"

"جو ان کو دوست رکھے گا میرے ساتھ جنّت میں رہیگا"

"حسینؓ سردار ہیں جوانانِ بہشت کے"

"حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں"

نبوّت کی آنکھ دیکھ رہی تھی کہ "حسینؓ کی شخصیت" سے
ایک بڑی مہم سر ہونے والی ہے، بڑا اگڑھ جیتا جانے والا ہے
اور دین کی ایک ایسی ضرورت پوری ہونے والی ہے جو بنیاد
بھی ہے اور عالیشان عمارت بھی۔ ع تو خود حدیثِ مفصّل بخواں ازیں مجمل

قلم بشکن ورق سوز و سیاہی ریز، دم درکش
حمیدؔ ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد!

دوسرا پہلو

عقیدت کا پہلو بھی اسی لئے ہے کہ حضرت امام کے اندر

اوصاف تھے، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ زمانۂ حاضرہ کچھ اور نقطۂ نظر بھی رکھتا ہے تاہم، مذہبی دائرہ سے ہم باہر نہیں جا سکتے۔ اس سلسلے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کا جائزہ بھی ہم دے سکتے ہیں۔

دین پر ثابت قدمی

آنحضرت صلعم کے عہد میں جو کچھ تھا، خواہ وہ تہذیب سے متعلق ہو یا تمدن سے، تعزیرات سے متعلق ہو یا دیوانی سے۔ قرآن کا رنگ ان سب پر گہرے سے گہرا چڑھا ہوا تھا۔ خدا پرستی کا جذبہ بدرجہ اتم تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ رنگ بھی تھا اور فتوحات کا رنگ بھی لیکن اس کے بعد ہی سیاست کا رنگ نمایاں ہونے لگا۔ مگر خاندانِ نبوت اس سے

متاثر نہیں ہوا۔ پانی کی رَو آتی ہے تو خس و خاشاک کو بہا لیجاتی ہے لیکن چٹان اپنی جگہ پر ہی رہتی ہے۔ یہی حال حضرت امام حسینؑ کا بھی نظر آئے گا۔ یزید کی جانشینی تک حالات بدلے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن حضرت امامؑ کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

مذہبی مفاد

خلیفہ دومؓ کے بعد سے ذاتی اغراض والوں کا خروج نمایاں ہے لیکن اس دور میں بھی حضرت امامؑ کے پیشِ نظر ذاتی مفاد نہیں ہے۔ بلکہ قرآنی جمہوری مفاد کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ حکومتِ الٰہیہ کا قیام جیسا پہلے تھا ویسا قائم ہو۔ خواہ یزید ہی اپنے کو اس کا اہل بنا لے لیکن اگر یہ چیز یزید کے استیصال پر موقوف ہے تو یہ بھی گوارا ہے تاکہ جمہوری نظام

میں خلل نہ آئے۔ قرآن نے یہی سبق دیا ہے۔ یہاں باپ سے بیٹا، بیٹے سے باپ، اور شوہر سے بیوی کا چھوٹ جانا بھی معمولی بات ہے۔ مذہبی مفاد کے خیال نے آپؑ کو بندۂ عشق بنا دیا ہے اور یہ بات واقعاتِ کربلا پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب میں ملے گی۔

دور بینی و دور اندیشی

دو شکلیں ہیں، اگر آپؑ واقعاتِ کربلا کے لئے تیار نہیں ہوتے تو جبراً بیعتِ یزید پر مجبور کئے جاتے۔ اور پھر یزید جو کچھ اپنے دور میں ظلم و فساد برپا کرتا اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے ضمیر کا خون ہونے دیتے۔ آپؑ کے ایمان، آپ کی دور بینی اور

دور اندیشی کا تقاضہ تھا کہ یزید کو راہِ راست پر لے آنے کی کوشش کریں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس کے بعد کی صورتیں اختیار کی جائیں یہی وجہ ہے کہ اخیر دم تک آپؑ لڑنا نہیں چاہتے صلح چاہتے ہیں لیکن اصلاح کے لئے۔

واقعات کربلا رونما ہونے والے تھے، خواہ وہ مکّہ میں ہوتے یا مدینہ میں چنانچہ واقعہ حرہ[1] جو آپ کی شہادت کے دو[2] برس بعد واقع ہوا وہ اس پر دال ہے۔

پیغمبر زادہ کی آنکھ دیکھ رہی تھی کہ اگر اس دعوت کو قبول نہیں کیا گیا تو حکومتِ الٰہیہ کا تخیل ہمیشہ کے لئے خواب وخیال ہو جائے گا۔ اور انسانی حقوق اور مسلمانی وقار پھر کبھی قایم نہ ہو سکے گا۔

---

[1] یزید کے حکم سے تین دن تک مسلسل مدینہ منوّرہ میں قتل وغارت، بےحرمتی وغیرہ جاری رہی۔ اور یہ بھی جبریہ بیعتِ یزید کے لئے ہی تھی۔

ہمارا اپنا خیال ہے کہ آپ ان حالات کے تحت خلیفہ بن بھی جاتے تو وہ بات حاصل نہ ہوتی جو واقعاتِ کربلا کے رونما ہونے سے ہوئی اسی لئے آپؑ یزید کو نا اہل بھی سمجھتے ہیں۔ جو لوگ حق کو قائم کرنا چاہتے ہیں ان کی دعوت پر لبیک بھی کہتے ہیں، لیکن مکّہ میں خلافت[۱] پیش کی جاتی ہے تو اس کو قبول نہیں فرماتے ۔

آپ نے کوفہ جاتے وقت اپنے تحفّظ کے لئے کوئی زبردست تیّاری نہیں کی۔ اگر آپ چاہتے تو یہ بآسانی ممکن تھا اور راستہ میں اتنے لوگ آپ کے شریک ہو جاتے کہ ۲۲ ہزار کا ۷۲ سے مقابلہ نہ ہوتا بلکہ ۲۲ ہزار سے کہیں زیادہ لوگ آپ کے ساتھ ہوتے اور فتح آپؑ کو نصیب ہوتی مگر جیسا کہ میں نے کہا یہ فتح نہ ہوتی فتح تو اَب

[۱] حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے خصوصیت کے ساتھ اس بات پر زور دیا تھا کہ آپ عازمِ کوفہ نہ ہوں۔ ہم آپؑ کو خلیفہ بناتے ہیں اور آپؑ کے حکم پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔

ہوئی جبکہ آپؑ نے بظاہر شکست کھائی۔

حرمین شریفین کی حرمت برقرار رکھنے کے ساتھ ہی آپؑ پر خاندانِ نبوت کی حرمت کا برقرار رکھنا بھی لازمی تھا۔ اس لئے بھی آپؑ نے ان کو ساتھ لیا۔ اور اس لئے بھی کہ لڑائی آپؑ کا مقصد ہی نہ تھی پھر اس کی اگر نوبت آ بھی جاتی جیسا کہ آ کر رہی تو ایک طرف اس کا یہ فائدہ ہوا کہ مستورات عضوِ معطل نہیں بنی رہیں بلکہ ان کی یہ خاموش رفاقت ایک الگ داستانِ حق پرستی ہے جو خواتینِ اسلام کے لئے کئی طرح سے سبق آموز ہے۔ دنیائے اسلام کو جہاں یزید اور یزیدیوں سے ان کی دوسری نالائق حرکتوں سے نفرت ہوئی اہلِ بیت پر جو سختیاں گزریں اس نے اور بھی آگ پر تیل کا کام کیا۔ یہ جہاں گئے، جدھر سے گزرے قلوب میں ملوکیت کے

خلاف شعلے بھڑکتے گئے۔اور کیا پھر یہ نہیں ہوا کہ دوسری طرف یزید خود ان کی حفاظت کا سامان کیا۔ الغرض یہ شمع بجھی نہیں بلکہ آجتک اس کی روشنی باقی ہے۔

فانوس بن کے آپ حفاظت ہوا کرے!

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے!

اور پھر آپ کے پیش نظر تو "انسانیت کے شرف" اور عام مسلمانوں کے ننگ و ناموس کی حفاظت کا سوال تھا۔ ان کی بہو' بیٹیوں اور ماں بہنوں کے ایمانی تحفظ کی ذمہ داری تھی اگر اس کا حصول آپؑ کی اور آپ کے خاندان والوں کی غربت اور مصائب ہی سے ممکن تھا تو آپؑ کو اس میں پس و پیش نہ تھا۔

آں کس کہ ترا خواست جاں راچہ کند! فرزند و عیال و خانماں راچہ کند!

آپؑ کی سیاست

حضرت امام حسین علیہ السّلام کی سیاست شروع سے اخیر
تک مذہبی ہے' اس کے جانچنے کے لئے مذہبی معیار ہونا چاہیئے۔
قرآن میں انبیاء علیہم السّلام کے کارنامے موجود ہیں۔ اولو العزمی کا
ذکر پایا جاتا ہے۔ خدائی حکومت کے لئے خدا کی طرف سے جو سیاست
اور اس کے اصول ہیں ان کا میل انسانی سیاست سے نہیں ہے
حکومت کے لئے چند انتظامی امور ہوتے ہیں جن کے سلسلۂ انتظام کا
نام گورنمنٹ یا حکومت ہے اور اسی کے علم کو پالیٹکس یا سیاست کہتے ہیں۔
جناب امام عالی مقام نے حکومتِ الٰہیہ کے لئے انھیں
امور کو پیشِ نظر رکھا جو انبیاء علیہم السّلام کے پیشِ نظر رہ چکے تھے۔
تاہم اصل بحث فائدہ سے ہے لہٰذا دیکھنے کی چیز فائدہ ہے نہ کچھ اور۔

ملوکیت اسلام میں پہلی مرتبہ علی الاعلان اپنا جھنڈا بلند کر رہی
تھی۔ اور یہ آپ کے نانا جان کے مشن کو کھلم کھلا چیلنج تھا۔ نہیں
بلکہ حق کو باطل دھمکیاں دے رہا تھا۔ ایمان و عمل صالح کی بنیاد
ڈھائی جا رہی تھی اور ایک طرح سے عملاً وہ مقصد ہی فوت ہو رہا
تھا جس کے لئے انبیاء و مرسلین آئے اور قرآن کا نزول ہوا۔ اس لئے
کہ قرآن حکومتِ الٰہیہ کے سوا کسی حکومت کا روادار نہیں۔

آپؑ کی سیاست یہی تھی کہ اس کے خلاف جس طرح کی بھی
حکومت ہو اس کے قیام میں روڑے اٹکائے جائیں اور اگر قائم
ہو چکی ہو تو اس کا قلع قمع کیا جائے اور اس کے لئے جو راستہ آپؑ نے
اختیار کیا وہ اصلاح کی دعوت اور حق کی حمایت پر مبنی تھا۔ کوفہ والے
اپنے کو حق کا طرفدار ظاہر کر رہے تھے اس لئے آپؑ پر ان کی حمایت واجب تھی

یزید اور یزیدی ناحق پر تھے اس لئے ان کو اصلاح کی دعوت دیتے رہے
حق اور ناحق کا معیار آپؓ کے نزدیک قرآن تھا۔ خلفائے
راشدین کی خلافت تھی۔ اور بار بار آپؓ اسی کا نام لے رہے تھے۔
اور اس کتاب میں اس سے پہلے یہ گزر چکا کہ خلافت کا خاتمہ اور
ملوکیت کا قیام عمل میں آرہا تھا۔ اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی اختلاف
نہیں۔ اور قرآن وحدیث کی شہادت کے سامنے کس کی
ہمت ہے کہ اس سے انکار کر سکے۔

آپؓ کی سیاست کا یہ پہلو تھا کہ خزانہ اور فوج دوسری طرف
ہے۔ لوگ بھی قرنِ اوّل جیسے حق شناس اور حق کے طرف دار
نہیں رہے۔ لہٰذا ان کو اور ان کے پیچھے آنے والی نسلوں کو خلافتِ
الٰہیہ کا ایسا سبق دینا تھا جو قلوب سے کبھی فراموش نہ ہو اور

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خیال آپؑ کا غلط تھا اور کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آپؑ کا یہ مدّعا حاصل نہیں ہو گیا۔ موجودہ شکل میں یہ آپؑ کی سیاست دانی ہی تھی کہ آپؑ نے زبردست لڑائی کی تیاری نہیں کی بلکہ آپ سرے سے کسی حال میں لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اس کا انجام کشت وخون کے علاوہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ پھر ایک مرتبہ کمزور ایمان والوں کو لے کر آپؑ خلیفہ بن جاتے مگر آگے چل کر انجام وہی ہوتا جو اس سے قبل ہوتا آیا تھا۔ لہٰذا نقش پائدار وہ خلافت ہوئی جس کا آپ کی شہادت نے ہر قلب پر قیامت تک کے لئے قیام کر لیا ہے اور جس کی یاد سے ہی ایمان قوی ہو جایا کرتے ہیں۔

قدرت بھی آپؑ کی اسی سیاست کی تائید میں رہی ـــــ حُرؒ جو

اخیر میں اپنے کئے کی معافی چاہتا ہے اور آپؑ کی طرف داری میں
جان دینے کو سعادت سمجھتا ہے۔ اس سے پہلے آپ کو گھیرے
میں لئے ہوئے کربلا کے میدان تک پہونچا تا ہے۔

آپؑ چاہتے ہیں کہ یزیدی آپؑ کو یزید سے بالمشافہ معاملہ
طے کر لینے دیں۔ مگر وہ اس پر راضی نہیں ہوتے۔

کوفہ والے جنہوں نے آپؑ کو خط لکھ کر بلایا وہ اب آپؑ سے
مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہ حادثہ ایسے مقام پر گزرتا ہے جہاں امداد کا
کوئی وسیلہ اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مکّہ اور مدینہ نہیں تو کوفہ ہی ہوتا۔
وہ بھی نہیں بلکہ ایک سنسان اور چٹیل میدان ہے۔

فریق مخالف کے لوگ آپؑ پر اور آپؑ کے ساتھیوں پر
پانی بند کر دیتے ہیں اور آپؑ کے لئے فرات کے ایک ایک قطرے پر

پہرہ بیٹھ جاتا ہے۔

نہ تو زمین سے کوئی امداد ہے اور نہ آسمان سے کوئی تائید

کیونکہ بغیر اس "ذبحِ عظیم" کے مقصدِ عظیم حاصل نہیں ہو سکتا۔

پیکانِ آبدار کہ آید ز دستِ دوست

بر عاشقانِ سوختہ بارانِ رحمت است!

آپؑ کی سیاست یہ تھی کہ آپؑ کے سوا اس مہم کو اپنے سر لینے والا

اور اس شان کے ساتھ اس کو پورا کرنے والا آپؑ کے سوا دوسرا کوئی

نہیں تھا اس لئے حق و باطل میں ہمیشہ کے لئے ایک حدِّ فاصل قائم

کر دینے کے لئے آپؑ نے پورے قرآنی اصول اور قرآنی تعلیمات

کے ساتھ اپنے کو پیش کر دیا اور سرگرمِ عمل ہو گئے۔ پھر جو قدم بڑھا

وہ آگے ہی بڑھتا گیا۔ پیچھے نہیں ہٹا۔

یہ کہ آپؐ صرف چند نفوس کے ساتھ حکومت کے مقابلہ کو
چلے ہیں۔ آپؐ کی ہمت و دلیری کا ثبوت بھی ہے اور آپؐ
کے حق پر ہونے کی دلیل بھی۔ اور جو حق پر ہوتا ہے وہ تنہا نہیں
ہوتا بلکہ حق اس کے ساتھ ہوتا ہے اور حق جس کے ساتھ ہوتا ہے
انتہائی بے سروسامانی میں بھی سب کچھ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔
اور اس کو بالضرور غلبہ نصیب ہوتا ہے خواہ اس کی نوعیت دوسری ہی
ہو۔ اس لئے آپؐ کی نگاہ اپنے چند نفوس پر نہیں ہے۔ بلکہ اپنے
مقصدِ عظیم پر ہے۔ جو بہر حال حاصل ہوگا۔ آپؐ کی نظر حق پر
ہے جو ضرور ساتھ دے گا۔ اور آپؐ کی نگاہ قرآن پر ہے
جس کی تعلیم ہے کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ ترجمہ ایسا ہوا ہے کہ مختصر جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غلبہ حاصل کیا ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

قرآن فہمی قرآن سے آتی ہے' کہاں پر ہلاکت ہے اور کس جگہ زندگی' یہ موقع شناسی بھی قرآن ہی بخشتا ہے۔ اگر حضرت امام عالی مقام اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قیامِ حکومتِ الٰہیہ کے لئے قربان نہ ہو جاتے تو یہ ان کی تو کیا' انسانیت کی ہلاکت تھی' پس آپ نے جو کچھ کیا وہ ہلاکت نہیں بلکہ عین زندگی اور زندگی بخش فعل تھا۔

اگر حمایتیوں کی کثرت کے ساتھ آپؑ کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا اور بہت زیادہ لوگ کٹ جاتے تو بات ہی کیا ہوتی۔ اس قلیل سے

جو کثیر فائدہ ہو اوہی زیرِ نظر رہنے کی چیز ہے ۔

موت وزیست کا فلسفہ

جس طرح قرآن کے نزدیک فتح و شکست کا فلسفہ دنیاوی نقطۂ نظر سے الگ ہے یہی حال موت و زیست کے فلسفہ کا بھی ہے ۔ لوگ جس کو موت سمجھتے ہیں قرآن کی نگاہ میں عین زندگی ہے اور جس کو یہ زندگی سے تعبیر کرتے ہیں وہ موت سے بھی کچھ زیادہ بدتر ہے ۔ اسی طرح فائدہ و نقصان کے فرق کو بھی جان لینا چاہیئے ۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے !

خدا پر بھروسہ اور تدبیر

آپ کو خدا پر بھروسہ بھی ہے لیکن ساری نقل و حرکت میں تدبیر کارفرما ہے۔ ہر موقع پر عقل و دانائی، بصیرت و بصارت اور احتیاط کا دامن ہاتھ میں ہے۔ نہ تو اپنے ساتھیوں کو اپنا ساتھ دینے پر مجبور کرتے ہیں اور نہ اپنے کنبے والوں کو اپنی رائے سے متاثر کرتے ہیں۔ دشمن سے بچنے کے لئے خیمہ کے گرد خندق بھی کھودی جاتی ہے مقابلہ کا وقت آتا ہے تو میمنہ اور میسرہ بھی قائم کرتے ہیں۔ اور اس وقت بھی اتمامِ حجت کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے۔

آپؑ اپنے زمانہ کے اعلیٰ سیاس ہیں، اور بلند پایہ مفکر۔ صاحبِ ضمیر ہیں۔ اور حساس طبیعت۔ عابد و زاہد

بھی ہیں اور خدا ترس بھی' انسانیت کے بہی خواہ بھی ہیں۔
اورمسلمانوں کے لئے پشت پناہ اور سینہ سپر بھی۔

بہرحال۔ آپؑ کا مقصد واضح ہے۔ عزمِ کربلا آپؑ کے لئے
ضروری تھا۔ آپؑ کو مشورہ سے گریز نہیں لیکن اس کے بعد
کی ایک منزل اور ہے یعنی فَاِنْ عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ
عَلَی اللّٰہ۔ خواہ فریقِ مخالف پر عصبیت اور خاندانی رقابت کا
الزام لگایا جائے مگر آپؑ اس سطح سے بہت بلند ہو چکے تھے
جس کا اخیر دم تک ثبوت دیتے رہے۔ قرآنی سیاست آپؑ کے
پیش نظر تھی۔ اس میں مذہب اور سیاست الگ دو چیزیں
نہیں ہیں۔ اگر آپؑ عزمِ کربلا نہ فرماتے تو آپؑ پر بڑا بھاری الزام
رہ جاتا اور آپؑ کی خموشی حق کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیتی

اور آپؒ کی عزلت "حکومتِ الٰہیہ" کے تصوّر کو قعرِ گمنامی میں ڈال دیتی

اور آج جو نیک نامی اور شہرت کے آپؒ مالک ہیں یہ ہاتھ نہ آتی۔ اور

ہمارا ایزیدی استبداد کے ساتھ ہی ہر استبداد سے جو نفرت کا

اظہار ہے اس کا یہ عالم نہ ہوتا۔"
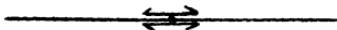
صراط الذین انعمت علیھم

کی تفسیر

الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین

والشھدآء والصالحین۝

کراست در دو جہاں باچنیں شرف حسبی!

کجاست در ہمہ عالم بدیں شرف نسبی!

اُمُّ الفضل بنت حارث کہتی ہیں۔ میں نے یہ خواب دیکھا کہ

رسُولُ اللہ صلعم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں

آگرا ہے۔ میں حیران تھی کہ دیکھئے اس کی تعبیر کیا ہو۔ لیکن جب

آنحضرت صلعم نے سُنا تو فرمایا۔

"تم نے بہت مبارک خواب دیکھا ہے۔

فاطمہؓ کو خدا بیٹا دے گا۔ اور تم اسے گود میں لیکر بیٹھو گی۔"

حضرت امام حسین علیہ السّلام کی ولادت ۴ شعبان المعظم ۴ھ

بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ زَادَ اللہ شَرفًا وَ تَعظِیمًا۔

ولادت کی خبر سُن کر آنحضرت صلعم اپنی لختِ جگر کے گھر

آئے تو اسماء بنت عمیس نے کپڑے میں لپیٹ کر مولود کو حضورؐ کی گود میں دیا۔ آپؐ نے دائیں کان میں اذان[1] اور بائیں کان میں اقامت[2] فرمائی۔

حضورؐ ہی نے آپ کا نام حسین رکھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ دو بکروں کی قربانی ہوئی۔ اور سر کے بال کے ہم وزن چاندی خیرات کی گئی۔

تعلیم و تربیت

قرآنی فضا میں آپؐ کی پرورش ہوئی۔ کانوں نے قرآن سُنے، آنکھوں نے قرآنی سماں دیکھا۔ اور جب تعلیم و تربیت کے لائق ہوئے تو نظمِ قدرت کے تحت اللہ کا رسولؐ جو مدینۃ العلم بھی تھا معلم بنا۔

---

[1] اللہ کی یہ بڑائی حضرت امام نے ہمیشہ یاد رکھی۔ [2] اس اقامت کا ایسا خیال رہا کہ تہ شمشیر بھی نماز فوت نہ ہونے دی

آسمانی کتاب "قرآن" نصاب میں تھی۔ بابِ علم علیؑ اس پر مستزاد تھے۔

فاطمہ بنت رسولؐ اللہ نگران حال تھیں مسجدِ نبویؐ "قرآن یونیورسٹی"

تھی، تو آپؐ کا گھر "قرآن کالج"۔ جس نے براہ راست خدا سے

ادب سیکھا تھا۔ اور جس کے اخلاق کے بارے میں اِنَّکَ لَعَلٰی

خُلُقٍ عَظِیْمٍ آیا ہے۔

آنحضرت صلعم نے معلوم نہیں کن کن طریقوں سے اور کس دل سے

ایسا پروان چڑھایا کہ صورت اور سیرت دونوں میں یگانگت سی پیدا ہو گئی

حدیث شریف میں ہے۔

لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَ دَمُکَ دَمِیْ

حسینؑ تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے۔

جس کی نگاہ پڑتی ـــــ بے ساختہ بول اٹھتا!

خلعتِ قدر کہ خیّاطِ کرامت آراست!

برقد و قامتِ اقبال شما آمد راست!

حسنؓ اور حسینؓ کیا تھے ایک گھر کے اندر آفتاب اور

ماہتاب یا پھر۔

دو گُل از گلشنِ دولت دمیدہ!

دو سرو از باغِ خوبی قد کشیدہ!

پیغمبرِ خدا کی والہانہ شفقت!

مدارج النبّوۃ میں ہے۔

ایک دن امام حسن اور امام حسین اس حال میں

مسجد کے اندر آئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

سجدے میں تھے۔ دونوں بھائی۔ آپؐ کی پشتِ مبارک پر

بیٹھ گئے۔ اس لئے حضورؐ نے دیر تک سر نہیں اُٹھایا

صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو ارشاد ہوا۔

"میرے بیٹے میری پیٹھ پر بیٹھے تھے۔ مجھے گوارا

نہیں ہوا کہ جب تک وہ جی بھر کے بیٹھ نہ لیں میں"

سر اُٹھاؤں۔"

بریدہ سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے

تھے کہ اسی اثنا میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ صغیر سنی کے

سبب گرتے پڑتے پہونچے۔ آنحضرتؐ نے ان کو

دیکھ کر خطبہ موقوف کیا اور منبر سے اُتر کر دونوں کو

گود میں لے لیا۔ پھر اپنے ساتھ منبر پر بٹھالیا۔"

کشف المحجوب میں ہے کہ

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت
میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ امام حسینؓ آنحضرت صلعم کی
پشتِ مبارک پر سوار ہیں اور ایک ڈوری کے دونوں
سرے ہاتھ میں ہیں جو حضور صلعم کے دہنِ مبارک میں
پڑی ہوئی ہے۔ امام حسینؓ ہانکتے ہیں اور آپؐ زانو کے
بل چلتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا

واہ کیا اچھی سواری ہے۔

ارشاد ہوا

اور سوار بھی تو خوب ہے۔

ع سوارے جنیں وسواری چناں

آنحضرت صلعم۔ ایک دن مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ جہاں چند لڑکے کھیل میں مشغول تھے۔ آپؐ نے لپک کر ایک لڑکے کو گود میں اُٹھا لیا۔ اس کو پیار کیا اور اس کی پیشانی پر بوسے دئے۔ صحابہؓ نے اس کا سبب دریافت کیا تو جواب ملا۔

اس لڑکے کے ساتھ میری محبت اور میرے
پیار کا یہ سبب ہے کہ یہ لڑکا ایک دن میرے حسینؓ کے
ساتھ کھیل رہا تھا اور اُن سے محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

سچ ہے پیارے سے پیار کرنے والا بھی پیارا ہوتا ہے۔

صحابہ کا سلوک

کسی دن کھیل کے اندر کسی بات پر صاحبزادہ نے حضرت

عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادہ کو غلام زادہ کہہ دیا ان کو ملال ہوا۔ اور اپنے ملال کا اظہار اپنے والد بزرگوار سے کیا۔

خلافت مآب نے بیٹے سے کہا۔

"جلدی جاؤ اور یہی بات حسین سے لکھوا لاؤ

تاکہ ہمارے لئے سند ہو جائے۔"

فاروقِ اعظم کا عہدِ خلافت، اسلام کے شباب کا زمانہ ہے جس میں ہر شخص جہاد کے ضمنی معاشی فائدے سے مالامال ہے ملک فارس آپ ہی کے دورِ خلافت میں فتح ہوا۔ مالِ غنیمت کی علیٰ قدرِ مراتب تقسیم ہوئی۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دوگنا حصہ ملا۔ انھوں نے اپنے والد سے کہا۔

میں خلیفۂ وقت کا بیٹا ہوں۔ مجھ کو حسنینؓ سے

کم حصّہ ملنے کا کیا سبب ہے ؟

جواب ملا۔

اے عبداللہ! مالِ غنیمت کی تقسیم کا انحصار میری

ذاتی رائے پر نہیں۔ ورنہ حسنینؓ کے مقابلہ میں تجھے ایک

حبّہ بھی نہ دیتا۔

تجھے معلوم ہے کہ حسنینؓ کا نانا' اللہ کا رسول'

ماں رسول کی بیٹی' باپ اللہ کا ولی ہے۔

رہا تیرے باپ کا خلیفہ ہونا سو وہ بھی حسنینؓ کے

نانا کا طفیل ہے۔

شادی

شہنشاہِ کونین کے نواسہ کی شادی شہنشاہِ فارس یزدجرد کی بیٹی سے

ہوئی تھی جو نوشیروان عادل کی پوتی تھیں۔ قدرت نے یہ عجیب پیوند لگایا تھا جو اپنی اپنی جگہ پر بھی امتیازی شان رکھتا تھا لیکن امتزاج نے کچھ اور ہی شان پیدا کر دی تھی۔

اس خوش قسمت شہزادی کا نام شہربانو رکھا گیا تھا۔ ایک تو یہ خود عالی خاندان تھیں اور اس کی وجہ سے زیورِ اوصاف سے آراستہ دوسرے خاندانِ نبوّت کے چشم و چراغ سے جوڑا لگا۔ جو سونے پر سہاگہ کا کام کر گیا۔

ان کو اپنے شوہرِ نامدار سے جو سچّی محبت تھی وہ خواتینِ اسلام کے لئے سبق آموز ہے۔ چنانچہ کربلا کے میدان میں بھی یہ ساتھ ہیں اور اخیر وقت تک حقِ رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔

آپؑ کی اولاد

صاحبزادہ چھٗ اور آپؑ کی صاحبزادیاں تین تھیں۔

اخلاقِ کریمانہ

مشہور روایت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک دن چند مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ گرم شوربے سے بھرا ہوا پیالہ خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپؓ کے چہرۂ مبارک پر گر پڑا جس سے آبلے پڑ گئے۔ آپؓ نے تادیباً اس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔

ادا شناس خادم نے قرآن کی آیت پڑھی "اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔"

حضرت امامؑ نے فرمایا۔ میں نے اپنا غصّہ فرو کر لیا۔

خادم نے دوسرا ٹکڑا پڑھا۔ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔

امام عالیمقام نے بھی کمی نہیں کی۔ ارشاد ہوا۔ میں نے تیرا قصور معاف کیا۔

خادم نے آیت کی تکمیل کر دی۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ پھر اِدھر سے کیونکر کمی کی جا سکتی تھی۔ فرمایا۔ میں نے تجھے اللہ کی راہ میں آزاد کیا اور تیرا سارا خرچ بھی اپنے ذمّہ لیا۔

داد و دہش

ایک شخص نے آپؑ کی خدمت میں اپنے اہل و عیال کی تکالیف اور اپنی عسرت کا ذکر کیا۔ آپؑ نے اُسے تھوڑی دیر ٹھیرنے کے لئے کہا۔ اتنے میں اشرفیوں کی پانچ تھیلیاں آپؑ کے پاس آئیں۔ آپؑ نے ساری کی ساری رقم سائل مذکور کو دیدی۔ ساتھ ہی عذر خواہ بھی

ہوئے کہ ان چند دیناروں کے لئے تجھے انتظار کی تکلیف اٹھانی پڑی

داد و دہش کی داستان بڑی طویل ہے۔ اگر دونوں بھائیوں کی عطا و بخشش کے متعلق کوئی لکھنے بیٹھے تو یقیناً مستقل ایک چھوٹی کتاب کی شکل اختیار کرلے۔ اس سے حاجت روائی کے جذبہ کا جو اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے سامنے مال و دولت کا اصل مصرف کیا تھا اور خود اپنی ذات کے لئے اسکی حقیقت کیا تھی۔

حج

تمام عمر میں آپؑ نے پچیس [25] حج پا پیادہ ادا کئے حالانکہ سواری کی کمی نہ تھی۔

نوافل

فرض نماز کے علاوہ ہر روز ایک ہزار نفل نمازیں ادا فرماتے تھے۔

شب بیداری

یادِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن مجید میں راتیں گذر جایا کرتی تھیں

گریۂ وزاری

محبتِ الٰہی میں درد انگیز اشعار پڑھتے، اور شام سے

رونا شروع کرتے تو صبح ہو جاتی۔

توبہ و استغفار

یہی حال توبہ و استغفار کا بھی تھا جو آپؒ کے درجات

کی بلندی کا سبب بنتے تھے۔

ہجرت

راہِ خدا میں آپؒ نے مدینہ منوّرہ سے مکّہ معظّمہ کی طرف

ہجرت فرمائی۔

جہادِ فی سبیل اللہ

نفاذِ قوانینِ قرآنی، قیامِ حکومتِ الٰہی اور انہدامِ قصرِ ملوکیت کے لئے آپؑ نے معہ اپنے رفقا کے یزیدیوں سے جہاد کیا۔

قرآن دانی

آپؑ کی قرآن دانی کا اس سے پتہ چلانا چاہئے کہ آپؑ کے خادم تک کے روزمرہ میں قرآن داخل تھا۔

قرآن فہمی

یہ قرآن فہمی کا ہی نتیجہ تھا کہ آپؑ نے اپنی شہادت کے ذریعے اسلام کی روح کی بقا کا سامان فراہم کر دیا۔

قرآن پر عمل

حضرت امام عالیمقام نے کربلا کے میدان میں جو کچھ کیا وہ عملی رنگ میں قرآن تھا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ

كَانَ زَهُوْقًا

حق و باطل کی آویزش

کا

آغاز

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

حق و باطل کی آویزش کا آغاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تصریحاً یا اشارۃً خلافت حاصل ہوئی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اس کے بعد افاضلِ صحابہ میں سے چھ آدمیوں کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرّر کیا۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السّلام کی باری آئی۔ جو سنہ ۴۰ھ ۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے دن صبح کے وقت زخمی ہو کر شہید ہوئے زاں بعد چھ ماہ تک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ رہے۔ امیر معاویہ جو شام کے گورنر تھے۔ ان کو امارت کی خواہش بدرجۂ غایت تھی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی عجب شان تھی،

انھوں نے گویا عظیم الشّان حکومت ان کو یوں ہی بخشدی۔ مگر معاہدہ کے ساتھ اور شرطوں کی استواری کے بعد۔ وھوھٰذا

۱۔ مسلمانوں پر کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ اور خلفائے راشدین کی پیروی میں حکومت کی جائے گی۔

۲۔ اس میری دست برداری کا یہ مطلب نہیں کہ معاویہ کی طرف سے کوئی بھی جانشین بنا دیا جائے۔

۳۔ بلکہ اس کا فیصلہ مسلمانوں کی رائے پر موقوف ہوگا۔

۴۔ اس صلحنامہ میں جو عہد و میثاق ہے معاویہؓ کو اس سے تجاوز کا حق نہ ہوگا۔

امیر معاویہ نے ۶۰ھ میں وفات پائی۔ مگر اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولیعہد مقرر کیا اور وہ اس کے بعد

امارت کے تخت پر بیٹھا۔

معاہدہ میں خواہ یہ بات ہوتی یا نہ ہوتی کہ

"مسلمانوں پر کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ

اور خلفائے راشدین کی پیروی میں حکومت کی جائیگی"

بلاشبہ ایسا ہی کیا جاتا تھا، اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ

سرے اسے اسلام ہی سے خارج ہے۔

بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس کا اقرار

لیا تھا چھوٹے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اسی پر اصرار تھا۔

اب اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی کی جارہی

تھی یا کی جانے والی تھی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا "اصرار"

کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا، یزید اور یزیدی اس کو ثابت کر کے

دنیائے اسلام کی ہمدردی حاصل کرسکتے تھے اور حضرت امام خاموش کئے جاسکتے تھے مگر آپؑ کے اصرار کا جواب واقعاتِ کربلا سے دیا گیا۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کی خلاف ورزی کی جارہی تھی اور ابھی اور زیادہ خلاف ورزی کی جانے والی تھی۔

"خلفائے راشدین کی پیروی کی جائے گی" کا ٹکڑا بھی شرمندۂ معنیٰ نہ ہوا۔ اس لئے کہ اصحابِ ثلاثہ میں سے کسی نے بھی اپنے بیٹے کو اپنا ولیعہد مقرر نہیں کیا تھا۔ اور خلیفۂ چہارم رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا نہیں کیا۔ اس خاندان کی شان تو دنیا سے نرالی تھی۔ جہاں سے خلافت تقسیم ہوتی تھی۔

اس مقدّس خاندان کے مورثِ اعلیٰ نے تو قیصر و کسریٰ کی اس سنّت کو دفن کردیا تھا۔ جس کا اب خلافِ معاہدہ احیاء

عمل میں آیا۔ شخصی اور خاندانی حکومت کی عمارت تعمیر کی گئی اور
"قرآنی جمہوریت" کی روح کو فنا کیا جانے لگا۔

معاہدہ کی دوسری دفعہ۔

اس میری دست برداری کا یہ مطلب نہیں کہ
معاویہ کی طرف سے کوئی بھی جانشین بنا دیا جائے۔

یہ پہلی دفعہ کے حصہ اخیر کی وضاحت تھی، مگر نہ متن کام آیا اور نہ شرح
نہ اصول کی پروا کی گئی نہ فروع کی۔

تیسری دفعہ۔

بلکہ اس کا فیصلہ مسلمانوں کی رائے پر موقوف ہوگا۔

آیت شریف وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ پر مبنی ہے
جو ملوکیت ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے شخصی استبدادی اور سامراجی قاعدہ

وقانون کو مٹانے والا ہے۔

شرعاً خلیفہ کے انتخاب کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ

"اگر اہلِ حل وعقد کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت
کرنے کے لئے متفق ہوئے تو جمہور پر ایسے شخص کی بیعت
لازمی ہے۔"

اب حال یہ ہے کہ اہلِ عراق۔ اہلِ کوفہ۔ اہلِ مدینہ اور مکہ معظمہ کے لوگ عام طور پر خود امیر معاویہؓ کو جبراً امیر بنا ہوا سمجھتے رہے۔ پھر یزید کی مخالفت کا کیا ٹھکانہ یہ تو اس کی قسمت میں اخیر دم تک لکھی رہی، نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے۔

یہ تو ہوئے عام مسلمان جس میں جلیل القدر صحابہؓ بھی ہیں۔ رہے اہلِ حل وعقد تو وہ عبد الرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ عبد اللہ بن عمرؓ،

اور عبداللہ بن زبیرؓ ہیں اور جن کے سرگروہ اور سرپنج خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں جو کسی طرح بھی یزید کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ اس کو امیر بنایا جائے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔

یزید خود اپنی حقیقت کو جانتا تھا بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ۔ لیکن سلطنت کا خون منہ کو لگ چکا تھا۔ سیاست مذہب کا چولہ بدل چکی تھی اور آج جو بیسویں صدی عیسوی کی سیاست ہے تعجب ہے کہ یزید کے حصہ میں بہت پہلے آچکی تھی چنانچہ انتخاب کے میدان میں وہ کبھی نہیں آیا۔ اور ان اصحاب کو مشورہ کے لئے ایک دن بھی جمع نہیں کیا بلکہ وہی طریقہ اختیار کیا۔ جو قوت جبر ظلم اور خونریزی کی فوج اپنے جلو میں رکھتا تھا۔

یزید کو صاف نظر آرہا تھا کہ اگر انتخاب کا مسئلہ چھڑ گیا تو

اس کے لئے کوئی موقع اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے اس نے جبر اختیار کیا۔ اور اس دوسری صورت کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوا۔

یزید کا فرمان بیعت کے لئے

ولید بن عقبہ حاکمِ مدینہ کے پاس یزید کا خط آیا کہ میرے باپ نے وفات پائی اور حکومت میرے قبضہ میں آئی۔ تو مدینہ والوں سے میری بیعت لے۔ بالخصوص حسین ابن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے۔

خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر یہ لوگ بیعت سے انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدے۔

مروان، یزید کا ایک بڑا طرفدار مدینہ میں موجود تھا۔ جس نے

ولید کو ہر طرح سے مجبور کیا کہ وہ یزید کے فرمان کی جلد از جلد تعمیل کرے!

ولید نے جب اس فرمان کی تعمیل حضرت امام حسین علیہ السّلام سے کرانا چاہی تو آپؑ نے شرعی اور اصولی جواب دیا۔

"ہم اکیلے چُپ چاپ، بیعت نہیں کر سکتے
کم سے کم سارے اہلِ مدینہ کو طلبِ بیعتِ یزید کی
خبر دی جائے، جو سب کی رائے ہوگی اس سے مجھے
ہرگز انکار نہیں۔"

اصولِ جمہوریت کی بنائ پر آپؑ کا جواب جو معقولیت رکھتا ہے اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ آپؑ یہ نہیں کہتے ہیں کہ مجھے اس سے انکار ہے بلکہ اہلِ مدینہ کا اتفاق مقصود ہے۔ مگر آثار و قرائن سے ظاہر تھا کہ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جائیگا بلکہ جبر و تعدّی کی

باری آنے والی ہے۔ اس لئے ان مواقع پر جو قرآن سے روشنی حاصل ہوتی ہے آپ نے اس سے کام لیا۔ انبیاء علیہم السلام جو رَوِش اختیار کرتے رہے ہیں آپؑ نے بھی وہی روش اختیار کی۔ کیونکہ ایک مسلمان کے پاس "عبودیت" معبودِ برحق کی امانت ہے اور وہ اس کے ناموس کی حفاظت کا ذمّہ دار ہے۔ اس کے لئے اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْن آیا ہے۔ کوئی ضرور نہیں کہ ایمان غیر محفوظ ہو اور مدینہ ہی میں ڈٹے رہیں، جس طرح آپؑ کے نانا کا عمل مکّہ نہیں مدینہ سہی تھا اسی طرح آپؑ کا عمل مدینہ نہیں مکّہ سہی ہوا۔

اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر ساری قوم کی طرف سے ذمّہ داریاں عاید تھیں۔

اور ایمان کی بات ہے کہ آپؑ ناموسِ خلافتِ الٰہیہ کے لئے سب سے بڑھ کر جوابدہ تھے۔ اس لئے آپؑ کو اس مرحلہ پر سب سے زیادہ احتیاط کا قدم اٹھانا تھا۔ سب سے بڑھ کر تدبیر سے کام لینا تھا۔ سب سے اعلیٰ سیاست دان ہونا تھا اور ہمت وبہادری، جرات وحمیت، باضمیری اور بلند وبالا کیریکٹر کا مظاہرہ کرنا تھا۔ خواہ اس کو دنیا کچھ ہی سمجھے، اس کے بارے میں کچھ ہی کہے، اس کا انجام کچھ ہی ہو۔ اور اس کے لئے جیسی بھی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور جیسی بھی قربانیاں دینی پڑیں۔

کیونکہ مقصود کا حصول اصل چیز ہے" اور پھر جب معاملہ خدا سے ہو تو بندوں کی رائے وفکر ہے کس شمار میں۔

بے شک حضرت امام نے بیعتِ یزید سے انکار کیا نہیں

بلکہ غیر اللہ کی حکومت سے انکار کیا۔ حق کے باطل سے دب کر رہنے سے انکار کیا۔ قرآنی جمہوریت کو فنا کے گھاٹ اترتا دیکھنے سے انکار کیا۔ بے ایمان بننے سے انکار کیا، بزدل بننے سے انکار کیا۔ سیاسی جوڑ توڑ سے انکار کیا۔ بے ایمانوں جیسی ماحول پرستی اور مصلحت اندیشی سے انکار کیا۔ ملوکیت کا ساتھ دیکر اِثْمٌ وَعُدْوَان پر تعاون سے انکار کیا۔ حق و باطل کو گڈ مڈ کرنے سے انکار کیا اس لئے کہ ایک عَذْبٌ فُرَاتٌ تھا اور دوسرا مِلْحٌ اُجَاج۔

حضرت امامؑ نے بیعت یزید سے انکار کرکے "قرآنی حریت وحق نوازی" کا دیباچہ قائم کردیا جس کے لئے آگے چل کر آپؑ کے پاک خون کی سیاہی سے کتابِ شہادت کی کتابت ہونے والی تھی

خدا کے اولوالعزم بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ ابن الوقت نہیں ہوتے بلکہ ابوالوقت ہوتے ہیں۔ وہ زمانہ کے رخ پر نہیں چلتے بلکہ زمانہ کو اپنے رخ پر چلاتے ہیں۔ دریا کے بہاؤ میں نہیں بہتے بلکہ دریا کو اپنے رخ پر بہنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ وقت آگیا تھا کہ "قرآن کا ایک عصرِ نو" آشکار ہو۔ اس کے لئے حضرتِ امام[۱] کا بیعتِ یزید سے انکار ضروری تھا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجَاهَدُوۡا

بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ

دہر میں مسلم ہے حق کی آزمائش کیلئے!

تمغۂ ایمان نہیں ملتا نمائش کیلئے!

ہجرت

"شرکِ فی الحکومت" کے قبول کرنے سے انکار انبیاء علیہم السلام کی پہلی سنّت تھی۔ حضرتِ امامؑ اب ہجرت کرکے دوسری سنّت کو پورا کر رہے تھے کیونکہ حق کی خاطر وطن کو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن وطن کیلئے حق کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

پھر اللہ والوں کا کعبۂ مقصود اللہ کے گھر کے سوا اور کونسا مقام ہو سکتا تھا اس لئے مدینہ سے مکّہ کو روانگی طے پائی۔

قدرت کے بھی عجیب کرشمے ہیں، ایک وقت تھا کہ نانا نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اب اُسی مقصد کے لئے نواسہ مدینہ سے مکّہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوا ہے۔

ناناجان کے مزارِ اقدس پر حاضری دی گئی، ظاہری و باطنی سلام و پیام ادا کئے گئے۔ معلوم نہیں کیا سنا اور کیا کہا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ راز و نیاز کی کیا باتیں ہوئیں۔ کتابوں میں جو لکھا ہے وہ وہی ہے جس کے لئے یہ کتاب لکھی گئی۔ اور جو اتنا واضح ہے کہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ آپؑ نے فرمایا۔

"ناناجان دعا فرمائے کہ آپؐ کا حسینؑ صراطِ مستقیم پر
قائم رہے۔ میرا ارادہ ہے کہ وقت آنے پر میں سب
کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دوں۔"

اور خدا گواہ ہے کہ آپؑ نے اس کو حرف بہ حرف پورا کرکے دکھا دیا۔ رات عاشقوں کو منزلِ جاناں تک پہونچانے میں ہمیشہ ممد و معاون اور دمساز رہی ہے۔ چنانچہ حضرتِ امام بھی معہ اہل و عیال مدینہ سے مکّہ کی طرف رات ہی میں روانہ ہو گئے۔

روانگی کے وقت آپؐ کی زبان پر وہ آیت تھی جو فرعونیوں سے جدا ہوتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام تلاوت فرما رہے تھے۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۔ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

موسیٰ وہاں سے ڈرتے ہوئے نکلے، اور بولے اے میرے رب اس ظالم قوم سے مجھے بچالے۔

اور جب مکۂ معظمہ میں پہونچے تو اس آیت کو پڑھ رہے تھے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ

اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہا، مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لیجائے۔

مکہ والے گویا چشم براہ تھے، اور زبانِ حال سے ہر متنفس یہ کہہ رہا تھا۔

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست!

کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست!

یوں تو امیر معاویہ کے عہدِ امارت میں بھی کوفہ والے
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کے خطوط لکھ چکے تھے۔
مگر یزید کا دور آیا تو ان کی رگِ حمیّت زور زور سے پھڑکنے لگی۔
اور خط پر خط بھیجنے لگے۔ اور ہر خط میں اُسی کا ذکر اور اُسی کا واسطہ
تھا جو ایسے وقت میں ایک مسلمان کی طرف سے ہونا چاہیئے۔

مکّہ، مدینہ، عراق اور کوفہ اسلامی دنیا میں مرکزی حیثیت
رکھتے تھے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جہاں کے لوگ
یزید کو پسند کرتے ہوں۔ اگرچہ جبریہ اور غرضمندوں کی بیعت کا
سلسلہ شروع تھا مگر سوادِ اعظم اپنا ہاتھ کھینچے ہوا تھا۔ اور شریعت نے

امام کے مقرر کئے جانے پر جو زور دیا ہے اور بغیر امام کی زندگی کو
مسلمانوں کے لئے ایامِ جہالت کی زندگی سے تعبیر کیا ہے
وہ بھی سامنے تھی اس لئے یہی وقت تھا کہ حضرت امامؑ صحت کے
ساتھ منصبِ خلافت کے قیام کے لئے متوجہ ہوتے۔

اس نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ امیر معاویہ کی امارت
بھی جبریہ تھی عام طور پر مسلمان اس سے بھی بیزار تھے مگر حکمِ شریعت کے
بموجب حضرت امام حسین علیہ السلام نے کبھی اس طرف توجہ
نہیں کی کیونکہ خروج وبغاوتِ امیر اور اس کے مفسدے سے
بہ نسبت دوسروں کے آپؑ اچھی طرح واقف تھے۔ مگر امیر معاویہ
کی وفات کے بعد ایک تو معاہدہ کے پورا کرانے کا موقع تھا
جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے دوسرے یزید کی امارت ابھی

قائم ہی نہیں ہوئی تھی۔ تیسرے یہ کہ آپؑ کا اب اس طرف توجہ نہ فرمانا عام مسلمانوں میں خلفشار کا باعث تھا۔ فتنے ہر طرف سے جھانک رہے تھے، اور جو شیرازہ پہلے ہی بکھر چکا تھا اب اور بھی زیادہ بکھر رہا تھا۔ حالات یہ تھے جب کہ بظاہر کوفہ والوں نے دعوت دی اور مسلسل و پیہم خطوط کی ڈاک بٹھادی۔ کہ حضرت امام ان کی صدا کو سنیں مگر بہ باطن و اقعی حق کی پکار بلند ہورہی تھی جس سے حضرت امام کے سوا کوفہ والوں کے کان بھی نا آشنا تھے

محمد بن بشر الہمدانی خاندان نبوت کے عقیدتمندوں میں ہیں وہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ کی وفات کی خبر سن کر "ہم شیعان علیؑ" سلیمان بن صرد کے یہاں جمع ہوئے اور بالاتفاق طے پایا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو خلیفہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپؑ کے

نام آپ کی طلبی کی غرض سے ایک خط لکھا گیا جس کی عبارت یہ تھی:-

کوفہ والوں کا پہلا خط

جو جمیع اہلِ کوفہ کی طرف سے تھا۔ اور جس پر ان کی نیابت میں خطاء سلیمان بن صرد، مسیّب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر کے دستخط ثبت تھے۔

یہ شخص (امیر معاویہ) اُمت پر مسلط ہو گیا تھا۔

ان کے حقوق چھین لئے تھے۔ بیت المال کو غصب کر لیا تھا۔ ان کی رضامندی کے بغیر ان پر حاکم بن بیٹھا تھا۔ ان کے نیکوں کو قتل کر ڈالا۔ بدوں کو چھوڑ رکھا۔ خدا کے مال کو جبّاروں اور امیروں کے لئے غرور اور گھمنڈ کا سبب بنا دیا۔ اس کے لئے ویسی ہی تباہی ہو جیسی ثمود پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت ہم پر کوئی

امام نہیں ہے۔ آپؑ آئیے تاکہ خدا آپؑ کے ذریعہ

سے ہمیں حق پر جمع کر دے۔

عمائدین کوفہ کا یہ خط آج کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ

و سِیَر کی مستند کتابوں میں اس وقت سے موجود ہے جب سے واقعاتِ

کربلا قلمبند ہوئے۔ اس کی پوری عبارت سے ظاہر ہے کہ اس وقت

تک کوئی خلیفہ مقرر نہیں ہوا تھا جس کے خلاف صدا بلند ہو رہی تھی

ہاں مظنّہ ضرور تھا کہ یزید خلافت کا دعوےٰ کرے گا۔ جس کو لوگ

پہلے ہی سے ناپسند کر رہے ہیں۔

اب حضرت امام حسین علیہ السلام کو کیا کرنا چاہیئے تھا؟ —

وہ کونسا راستہ اختیار کرتے؟ کیا آپؑ یہ کرتے کہ "ہمیں اس سے

غرض نہیں۔ جو کچھ بھی ہو، ہونے دو"۔ یا پھر وہ راستہ جس کو آپؑ نے اختیار کیا

حضرت امام حسین علیہ السلام اگر خموشی اختیار کرتے تو طوائف الملوکی کا بھی خدشہ تھا۔ اور معلوم نہیں اس شکل میں کہاں کہاں اور کس کس شکل میں خونریزی اور فساد رونما ہوتے۔

صورتِ حال کا ایک مرتبہ پھر اختصار کے ساتھ جائزہ لینا چاہیئے۔

۱۔ قرآن خلافتِ الٰہیہ کا خواستگار ہے۔ وہ شخصی امارت میں تبدیل ہو چکی تھی۔

۲۔ امیر معاویہ سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ ٹوٹ چکا ہے اور اس کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔

۳۔ مسلمانوں کا کوئی امیر باقی نہیں رہا ہے۔

۴۔ (جیسا کہ آگے آتا ہے) مکہ میں آپؑ کو خلافت پیش

کی جا رہی ہے مگر آپؑ اس کو قبول نہیں کرتے۔

۵۔ کوفہ والے جو کچھ کہہ رہے ہیں شرعی نقطۂ نگاہ سے بجا و درست اور برمحل ہے۔

عبارت کے اخیر کا جملہ

"آپؑ آئیے تاکہ خدا آپؑ کے ذریعہ سے ہمیں حق پر جمع کر دے۔"

خاص طور پر توجہ کا مستحق ہے۔ آپؑ کے کوفہ جانے سے کوفہ والوں کے شور و شغب کا خاتمہ ضروری تھا۔ جب فضا سازگار ہو جاتی تو پھر یزید کو راہ راست پر لانے کا بھی موقع ہو سکتا تھا۔ جس کا آپؑ اخیر تک اظہار کرتے رہے ہیں۔ آگے آتا ہے کہ آپؑ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اسی غرض کے لئے بھیجا ہے کہ وہ کوفہ پہونچکر ان کے جوش کو فرو کریں۔ لیکن جو گورنر پہلے سے مقرر ہے بحالہٖ حاکم رہیگا

قرآن نے صلح کو خیر کہا ہے، اصلاح کو ضروری بتایا ہے۔ فساد کو قتل سے بھی بڑھ کر شمار کیا ہے۔ حضرت امام کے پیشِ نظر بھی یہی چیزیں رہی ہیں۔

اس سلسلے میں جن لوگوں کے ایمان کمزور ہیں ان کو بطورِ دعا یہ شعر پڑھنا چاہیئے۔

نہ داغِ تازہ می خارد نہ زخمِ کہنہ می کارد
بدہ یارب دلے کیں صورتِ بیجاں نمی خواہم!

اِن کو کچھ کرنا نہیں ہے اس لئے کرنے والے کے متعلق کچھ کہنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کے دامن میں پناہ ملے۔ یہ جمع کرنے کی فکر میں زندگی کے دن گزارتے ہیں اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَہٗ اور دوسرے کو لوٹنے لُٹانے میں لذّت ملتی ہے۔

لُٹنے لُٹانے کی لذت پوچھ نہ مجھسے اے صیاد
برق کو دعوت دیتا ہوں تنکے جب میں چنتا ہوں!

یہ خط ۱۰ رمضان المبارک کو آپؓ کے پاس پہونچا۔ اس کے دو ہی دن کے بعد حضرت امامؑ کی خدمت میں اکٹھے ترپن ۵۳ خط مزید پہونچے۔ جن میں قریب قریب ہر ایک کے اندر یہ مفہوم تھا۔

حسینؓ ابن علیؓ کے نام' ان کے طرفدار مومنوں اور مسلمانوں کی طرف سے۔

امابعد! جلدی کیجئے' کیونکہ لوگ آپؓ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم آپؓ کے سوا کسی کو نہیں چاہتے۔ جلدی کیجئے۔ جلدی کیجئے۔

اس کا یہی مطلب تھا کہ لوگ بہر حال یزید کو نہیں چاہتے'

آپؑ کو چاہتے ہیں۔ اگر آپؑ انکار کر دیتے کہ ہم تمہاری دعوت قبول نہیں کرتے جب بھی وہی بد دلی اور خلفشار کا موقع تھا۔ اس لئے معاملہ نے جو نزاکت اختیار کر لی تھی اس کا یہی تقاضہ تھا کہ آپؑ کوفہ پہونچیں اور پہلے کوفہ والوں کو سنبھال لیں اس کے بعد دوسرے معاملات کی طرف متوجہ ہوں۔ خواہ خلیفہ کوئی بھی ہو۔ یزید اور یزیدیوں کو اگر اپنی کمزوریوں کا علم نہ ہوتا اور اپنی پڑی نہ ہوتی تو حضرت امامؑ کے بارے میں یہ روش اختیار نہ کرتے اور نہ اس میں عجلت سے کام لیتے۔ انہوں نے تو سب کچھ چھوڑ کر آپؑ کو اور آپؑ کے بیعت کر لینے کو ہی سب کچھ سمجھا۔ خواہ ابدی لعنت اور تباہ ہو نا ہی ان کے حصہ میں آ رہا ہو۔

ان خطوط کا حضرت امامؑ پر کبھی بھی ایسا اثر نہیں ہوا کہ

رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہوتے یا ان خطوط کی وجہ سے مقصدِ عظیم کا خیال پیدا ہوا ہوتا، نہیں بلکہ آپؑ خود اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ "قیام حکومتِ الٰہیہ" کے لئے آپؑ کو کچھ کرنا ہوگا۔ خواہ دنیا آپؑ کا ساتھ دے یا نہ دے۔ لیکن جب آپؑ کو اُسی مقصد کا جو ہر مسلمان کی زندگی کا مقصد ہونا چاہئے۔ اہلِ کوفہ کے دلوں میں ہونا بھی معلوم ہوا تو آپؑ کے لئے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس لئے آپؑ نے اس دعوت کو قبول کیا۔ آپؑ کی طرف سے ان خطوط کا جو جواب دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"تمہاری تحریروں کا مطلب، یہ ہے کہ اس وقت تم پر کوئی امام نہیں ہے، اور تم مجھے اس لئے بلاتے ہو تاکہ میرے ذریعہ سے خدا تمہیں حق وہدایت پر جمع کردے

"میں تمہارے پاس پہلے اپنے بھائی مسلم کو بھیجتا ہوں

اس کے بعد خدا کو منظور رہے تو میں بھی آجاؤں گا بیشک

مسلمانوں کا امام وہی ہو سکتا ہے جس کا عمل قرآن پر

ہو اور جس کی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف ہو"۔

کیا اس جواب سے اس بات کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے کہ

حضرت امامؑ کوئی غلطی کر رہے ہیں۔ یا آپؑ اپنی ذات کے لئے کچھ

کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔ اگر کچھ ہے تو یہ کہ ایک مقصدِ اعلیٰ کے

حصول کا خیال ہے' خلقِ خدا کی بھلائی مدِ نظر ہے۔ اور اس کے لئے

اصلاح اور نیکی کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد آپؑ نے اپنے چچیرے بھائی حضرت مسلم بن عقیلؑ کو

چند ہدایات کے ساتھ کوفہ روانہ کیا جس میں ایک ہدایت یہ بھی تھی۔

"نعمان بن بشیر (گورنر کوفہ) جس طرح حاکم ہیں

بحالہ رہیں گے"۔

امام مسلم کو کوفہ روانہ کرنے کے بعد آپؑ نے بھی حسبِ وعدہ

سفر کی تیاری شروع کی۔

خلیفہ بننے سے انکار

سازش، ڈپلومیسی، پالیسی اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جو

دنیا حکومت حاصل کرنے اور اس کے قائم رکھنے کے لئے استعمال

کرتی ہے۔ اس کا تو یہاں نام و نشان بھی نہیں طرفہ یہ ہے کہ حضرت

امام آزاد ہیں۔ موقعہ حاصل ہے۔ لوگ اصرار کر رہے ہیں مگر آپؑ

اس کے قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ قرآن اسی کی

تعلیم دیتا ہے۔ وہ جو کچھ کرنے کو کہتا ہے، خدا کے لئے کرنے کو کہتا ہے۔ ایک سچّے قرآنی کی نگاہ میں، صرف ایک ہی کی گنجائش ہوتی ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ مبارک ہے۔ اس کے سامنے کچھ باقی ہی نہیں رہتا جو اس کی آنکھ میں سما سکے اور جب کُل سما جائے تو جزو کا ذکر ہی کیا۔

اب کون رہا ہے جس کو دیکھوں
اک تم تھے جو آ گئے نظر ہیں!

دین کا اور توحید کا خالص ہونا تو یہی ہے۔

کاجل ڈاروں کرکرا سُرمہ دیا نہ جائے
جن آنکھن میں پیو بسیں دوجا کون سمائے

مکّہ میں آپؐ کے عزمِ کوفہ کی خبر پھیلی تو جوشِ محبّت کے دریا

اُبل پڑے۔کسی کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ آپؓ داغِ مفارقت دیں۔اس موقعہ پر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے جن کا ایک خاص مرتبہ ہے آپؓ سے کہا

"ہم آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں (آپؓ کو خلیفہ بناتے ہیں) آپؓ مکہ سے نہ جائیں۔"

آپؓ کی طرف سے یہ جواب تھا کہ ہمارا یہ مقصد ہی نہیں۔ جب اصرار زیادہ بڑھا تو ارشاد ہوا۔میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے

"مکّہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو اس کی حُرمت کو باقی نہیں رکھے گا۔میں نہیں پسند کرتا کہ وہ شخص میں ہوں۔"

آپؓ ابھی مدینہ کو چھوڑ چکے تھے اور اب مکّہ کو بھی چھوڑنے کی تیّاری تھی۔حالانکہ جس کو مکّہ والا اور مدینہ والا پیارا ہوتا ہے وہ مکّہ اور مدینہ کو ضرور پیارا رکھتا ہے لیکن مکّہ اور مدینہ والے کے

پیار کا راستہ خدا کے فرمان اور رسولوں کے اسوۂ حسنہ سے ہو کر گیا ہے۔

حضرت امامؑ نے جو خط کوفہ والوں کو لکھا تھا اسمیں یہ بھی تھا۔

"کعبتہ اللہ میں جو زندگی گزر رہی ہے، وہ مجھ کو بہت عزیز ہے"

مگر مقصدِ عزیز کے لئے اس کا چھوڑنا بھی گوارا ہے! اور

کیوں نہ ہوتا کہ بال بال سنّتِ رسول ادا ہو رہی تھی اور قدم قدم پر

اسوۂ حسنہ پیشِ نظر تھا۔ آنحضرت صلعم نے بھی تو کعبہ سے ہجرت کے

وقت کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"اے کعبہ مجھے تو بہت عزیز ہے۔ میری قوم اگر مجبور

نہ کرتی تو میں تجھ سے جدا نہ ہوتا"

قرآن میں بھی تو کم و بیش اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ

"ایمان والوں کے دل کعبہ کی طرف لگے رہیں گے"

یا تو مکہ والوں نے ابھی کچھ ہی مدت ہوئی تھی کہ آپؐ کے آمد کی مسرت حاصل کی تھی یا اب اُن کے یہ کہنے کا وقت آ گیا تھا۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد!

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد!

سب کی تمنا یہ تھی کہ آپؐ مکہ سے نہ جائیں، ہر ایک کہہ رہا تھا۔

اے بدلم گرفتہ جا، لطف کن از نظر مرو!

مرہمِ سینہ چوں توئی، مرہمِ دیدہ ہم تو شو!

سب نے سب کچھ کہا مگر آپؐ نے کسی کی بھی نہیں سنی، اخیر میں سب کو یہ کہنا پڑا۔

کردہ عزمِ سفر حفظِ خدا یارِ تو باد!

فضلِ حق از ہمہ آفاق نگہدارِ تو باد!

آپؑ کے عمِّ زاد برادر۔ عبداللہ بن جعفر نے بھی مدینہ سے ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔

"(خدانخواستہ) اگر آپؑ قتل ہو گئے تو زمین کا نور بُجھ جائے گا۔ اس وقت صرف آپؑ ہی ہدایت کا نشان اور اہلِ ایمان کی اُمیدوں کا مرکز ہیں۔"

ایک ہی معاملہ ہے مگر نقطۂ نظر مختلف۔ حضرت امام وہی چاہتے ہیں جس کو لوگ نہیں چاہتے۔ لوگ جان بچانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں اور آپؑ جان دینے کے راستے تلاش کر رہے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے نزدیک وہ سیاست اور مقصدِ عظیم سرے سے ہے نہیں جو حضرت امامؑ کے ذہن میں ہے۔ آپ جس ذہنی اور مذہبی انقلاب برپا کرنے کے درپے اور متلاشی ہیں وہ کسی کے خواب و خیال میں

بھی نہیں ہے۔ پھر کیا لوگوں کو آپؑ زبانی اس کا وعظ دینے میں زندگی بسر کرتے یا عملاً ایک خاموش وعظ میدان کربلا میں فرمادیتے جس کا ایک ایک ذرہ آجتک "حکومتِ الہٰیہ کے قیام کا وعظ کہہ رہا ہے۔" آپؑ کی طرف سے اس خط کا جو جواب تھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

میخواہم از خدا، بدعا صد ہزار جاں

تا صد ہزار بار بمیرم برائے او!

بے شک آپؑ قتل ہو گئے مگر زندۂ جاوید ہونے کے لئے ہی نہیں، بلکہ قوموں اور ملکوں کو زندۂ جاوید کرنے کے لئے بھی۔

آپؑ کی ہدایت ختم اور اُسی زمانہ کے لئے محدود نہ رہی بلکہ آجتک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

درحقیقت آپؑ زمین کا نور تھے اور ہیں۔ کیوں کہ خدا کا نور

پھونکوں سے نہیں بجھتا۔ یُطْفِئُوْ نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَاللّٰہُ مُتِمٌّ نُوْرَہٗ

عبداللہ بن جعفرؓ آپؑ کے مزاج سے واقف تھے اپنا خط بھیجکر بیٹھ نہیں رہے۔ اس کو ناکافی سمجھ کر مدینہ کے گورنر کا ایک سفارشی خط دو آدمی کو دیکر اس کے بعد ہی بھیجا تاکہ وہ آپؑ کو کوفہ جانے کے ارادے سے باز رکھیں۔

حضرت امام نے خط پڑھ کر قاصدوں سے کہا۔

"میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے مجھے ایک حکم دیا گیا ہے۔ میں اس پر ضرور عمل کرونگا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی برآمد ہو"

قاصد نے دریافت کیا وہ خواب کیا ہے؟

جواب ملا۔

"میں نے کسی کو بھی اپنا وہ خواب نہیں بتایا ہے۔
اور نہ آخر دم تک بتاؤں گا۔"

باکسے ہرگز نہ گویم رازِ او! درقیامت ہم شوم وسازِ او!

جان پر بھی بن جائے تو یہ باتیں نہیں کہی جاتیں۔

رفتیم ودمِ جورِ تو درسینہ نہفتیم!
باہیچ کسے حالِ دلِ خویش نگفتیم!

حریمِ ناز کے یہ راز نامحرموں سے نہیں کہے جاتے

آں راز کہ درسینہ نہانست نہ وعظ است
بردار تواں گفت و بہ منبر نہ تواں گفت!

لوگوں کی نگاہ میں مقام اور حالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں!

مگر امام والامقام کی نگاہ میں وہ تھا اور اس کا حکم تھا جو مقام و حالات کا مالک ہے اور جس کا ہر اشارہ عبادت کا حکم رکھتا ہے۔

بندۂ راکہ بفرمانِ خدا راہ رود
نگزارند کہ در بندِ زلیخا ماندا

حضرت امام کا مقصد اور تھا، راستہ دوسرا تھا۔ اور منزل الگ تھی۔

راہے کہ خضر داشت زسر چشمہ دور بود
لب تشنگی زراہِ دگر بردہ ایم ما!

آپؑ کی مبارک گردن میں رشتۂ عبدیت پڑا ہوا تھا اور اس کا سرا معبودِ برحق کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے جدھر اور جس واسطے اس کو حرکت ہوتی آپؑ بھی اس پر گردش کرتے۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست!

می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست!

خدا نے آپؒ کو تماشا گاہِ عالم بنایا تھا اس لئے

ہر شخص کو یہ کہنا ہی چاہیئے تھا۔

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو

تو کجا بہرِ تماشہ می روی!

لوگوں نے آخر میں کہا! اگر آپؒ نہیں مانتے تو اتنا کیجئے

کہ تنہا تشریف لیجائیے۔ اہل و عیال یہیں رہیں اس کا جواب

بھی نفی میں تھا۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند!

فرزند و عیال و خانماں راچہ کند!

اس کے جو فائدے مترتّب ہوے' اور اخلاقی نیز سیاسی حیثیات سے اثرات پھیلے اور آج تک پھیل رہے ہیں اس کا جاننے والا بھی آپؑ کے سوا دوسرا کوئی نہیں تھا۔

اسی لئے مصائب کربلا کی حیثیت تاریخی بھی ہے۔ مذہبی بھی اور سیاسی بھی۔ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کرنا گوشت کا ناخن سے جدا کرنا ہے اور اسی لئے صرف ثواب کی نیّت سے حضرت امامؑ کی یادگار منانا یا کسی اور طرح کے مشاغل میں مبتلا ہونا اور لوگوں کو مبتلا کرنا گویا حضرت امام علیہ السّلام کے اصلی کارنامے اور حقیقی مقصد کی روح پر ظلم کرنا ہے۔

با آنکہ صرف شد ہمہ عمرم در انتظار
آگہ نیَم ہنوز کہ چشم براہِ کیست!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

از یں مصائبِ دوراں مدام شاداں باش

کہ تیرِ دوست بہ پہلوے دوست می آید!

فلسفۂ موت وحیات

قرآن کا موضوع انسان ہے، اس لئے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق اس نے اپنے رنگ کی سیر حاصل بحث کی ہے اور ایک روشنی بخشی ہے۔ بالخصوص "موت و حیات کا خدائی فلسفہ" اپنی جداگانہ اور نرالی شان رکھتا ہے۔ اس کے لئے "جہادِ فی سبیل اللہ" کا مسئلہ گویا بقائے قومیت اور ارتقائے مسلمانی کے لئے روحِ رواں کی حیثیت سے بھی کچھ زیادہ اہم ہے۔

زیبِ عنوان آیت اسی جہادِ فی سبیل اللہ کے لئے ایک ضابطہ ہے، تعلیم ہے، معیار ہے اور ساتھ ہی "قرآنی فلسفہ" کے ماتحت اس کے نتائج کا بھی ذکر ہے۔

ایک مسلمان کا جینا اگر خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہے تو وہ قرآن کی نگاہ میں موت ہے۔ اور اگر احکاماتِ خداوندی کی تکمیل میں موت آئی ہے تو وہی زندگی ہے۔ گویا جینا اس کے لئے ہے کہ خدا کی راہ میں مرنا ہے، اور مرنا اس لئے ہے کہ زندگی حاصل ہو۔ بلکہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است!

قرآن کے مخصوصات ہیں "خدا کی راہ میں مرنے والوں کی موت کا جس انداز میں ذکر ہوا ہے وہ بھی قرآن ہی کا حصّہ ہے۔ اور یہ قرآن کا امتیازی فلسفہ ہی تھا جس نے قرنِ اوّل کے مسلمانوں کے لئے مرنا آسان کر دیا تھا۔ اور آج اسی کے فقدان سے عزّت کا جینا مشکل ہو گیا ہے۔

کرنے کا ہی جو کام وہ کرنا نہیں آتا!

مرتے ہیں، مگر اس پہ بھی مرنا نہیں آتا!

اسلاف مرنے ہی کو زندگی سمجھتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ ان کو مرنا آ بھی گیا تھا مگر خلف ہیں کہ نہ ان کو جینا آتا ہے اور نہ مرنا آتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اِنْ کی زندگی کا مقصد ہی صحیح نہیں، اور مقصد اس لئے صحیح نہیں کہ قرآن پر عمل نہیں اور عمل کے نہ ہونے کا سبب صحیح علم کا نہ ہونا ہے۔

آن مسلماناں کہ میری کردہ اند! در شہنشاہی فقیری کردہ اند!

پادشاہی بود و سامانے نداشت! دستِ او جز تیغ و قرآنے نداشت!

"صحیح زندگی" اور "زندگی کا صحیح مقصد" ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے، ہر کڑی جھیل لینے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ غم کو خوشی

میں تبدیل کر دیتا ہے، مصائب اور قربانیوں کو لذیذ بنا دیتا ہے۔

بے چین دل ہے درد کی لذّت کے واسطے
کانٹے چبھو رہا ہوں اذیّت کے واسطے

"دین کا غم" بھی "صحیح زندگی" اور "زندگی کے صحیح مقصد پر منحصر ہے، اور یہ بھی سب کے حصّہ کی چیز نہیں۔

سرمدِ غمِ عشق بوالہوس را ندہند! سوزِ غمِ پروانہ مگس را ندہند!
عمرے باید کہ یار آید بکنار ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند!

اس غم و عشق کی اہمیت اس سے واضح ہے۔

گر عشق نہ بودے و غمِ عشق نہ بودے!
چندیں سخنِ عشق، کہ گفتے کہ شنودے!

اور در اصل اس غمِ عشق کے پردے میں کسی اور کی طرف آنکھ اور

دل لگا ہوتا ہے۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست!

اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست!

"ایسوں کا" "ایسے" کی راہ میں جان دینے کے بعد بھی کچھ اور عالم ہوتا ہے۔

جاں دادم ولقائے ہوائے تو در دلم!

رفتم بخاک و تخمِ وفائے تو در دلم!

حضرت امام حسین علیہ السلام کا طغرۂ امتیاز بھی یہی "قرآنی فلسفۂ موت و حیات" تھا، جس نے آپؑ کو لازوال شخصیت کا مالک بنا دیا۔ اگر آپؑ کی زندگی کا نصب العین اعلیٰ و ارفع نہ ہوتا تو دنیا کے لئے حق و صداقت اور اس کے لئے بروقت قربانی کا جذبہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جاتا۔ اور آج مردہ دلوں کے لئے

"پیامِ زندگی" ثابت ہونے کے لئے ایسی کوئی چیز رہ نہ جاتی اس لئے
آپؑ کی یاد میں

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں!

کیوں کہ سب کچھ نِرا رونے ہی سے حاصل نہیں ہوتا۔

عرفی اگر بگریہ میسّر شدے وصال
صدسال میتواں بہ تمنّا گریستن!

حضرت امامؑ سے صحیح تعلق کا ہمارے سامنے معیار یہ ہے
کہ جو شخص اس کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ
ابتلاؤ مصیبت کا سامنا ہو۔

ہرکہ دریں بزم مقرّب تر است   جامِ بلا بیشترش میدہند!

ہر کام میں استعانت کی ضرورت ہے۔ آیت شریف میں اس کے لئے "صبر" و "صلوٰۃ" کو پیش کیا گیا ہے "صبر" سے مراد ثابت قدمی اور مستقل مزاجی ہے جو ظاہر ہے کہ کسی مقصد میں کامیابی کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السّلام اس میں سید الصّابرین ہیں۔

اس سلسلے کی دوسری چیز "صلوٰۃ" یعنی نماز ہے جو "جہادِ اکبر" کی بڑی نشانی ہے اور جو اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل کا حکم رکھتی ہے۔ اور جامع عبادات ہے۔ چنانچہ حضرت امام ایکہزار نوافل ادا فرماتے تھے اور شہادت کے وقت بھی اس کو نہیں بھولے۔

صبر کے مدراج ہیں۔ اتلافِ جان و مال، اتلافِ اعزّ و اقارب اور اس پر جزع و فزع سے باز رہنا نیز صلوٰۃ کے بھی درجے ہیں،

اور یہ معراج المومنین بھی ہے۔ یہ شرطیں پوری ہوئیں تو مشروط کہیں نہیں
جاتا اور وہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰابِرِیْن ہے۔

اس معیت کے خیال سے ہی اللہ والوں کو جو تسکین اور
سرور حاصل ہوتا ہے وہ کوہ کو کاہ بنا دیتا ہے اور تلخ سے تلخ
گھونٹ بھی خوشگوار اور شربت کے گھونٹ کا مزہ دیتا ہے "حادثۂ کربلا"
کو اسی نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اب عشق کی راہ میں
شوق کی تلوار سے قتل ہونے والے کو، وہ جس کی راہ میں یہ قتل ہوا،
یہ بھی نہیں گوارا فرماتا کہ کوئی مردہ کہے، اور وہ مردہ ہے بھی کب،
وہ تو حیاتِ انسانی سے گزر کر حیاتِ باقی تک پہونچ جاتا ہے اور بس۔
مرنے کے لئے زندہ ہونے کا فلسفہ ایمان و عقیدہ ہی سمجھا جا سکتا ہے عقل نہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں

عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ

اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

اس زندگی، اس رزق اور اس خوشی کا عالم بھی سننے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ دید کا شعور ممکن نہیں تو شنید سہی۔

شُہَدَآء معلوم نہیں کن کن انعاماتِ خداوندی میں گھرے ہوں گے اس پر بھی ایک انعامِ خاص سے نوازش ہوگی یعنی پوچھا جائیگا' بتاؤ کچھ اور بھی چاہیے' ھَلْ مِنْ مَّزِیْد۔

یہ عرض کریں گے۔

"اے میرے پروردگار! ہم اور کیا چاہیں' حال "

یہ ہے کہ تو نے ہم کو وہ دیا ہے جو اپنی مخلوق میں

سے کسی کو نہیں دیا۔"

مگر ابھی اس انعامِ خاص کی بارش رُکے گی نہیں، آتشِ شوق کو

بھڑکانے کے لئے بار بار یہی سوال کیا جائے گا۔ کہو، کوئی اور خواہش ہے؟

شہداء! جب دیکھیں گے کہ ہم سے پوچھا ہی جاتا ہے تو کہیں گے۔

"خدایا، ہم چاہتے ہیں کہ تو ہم کو دارِ دنیا میں پھر لوٹاوے۔

تاکہ ہم تیری راہ میں (پھر) لڑیں تا آنکہ دوبارہ قتل ہوں۔"

میخواہم از خدا بدعا صد ہزار جان

تا صد ہزار بار بمیرم برائے او!

جواب ملے گا۔

"یہ تو میں نے لکھ دیا ہے کہ تم دارِ دنیا میں نہیں لوٹائے جاؤ گے۔"

یہ انعامات اس صلہ میں عطا ہوں گے کہ بندہ نے بندگی کا
حق ادا کردیا، مقصدِ زندگی کو پورا کردیا مالکِ حقیقی نے چند چیزیں عارضی
طور پر بخشی تھیں اس کو اُسی کا اشارہ پاکر دے بیٹھا۔ اور یہی امتحان
تھا جس میں وہ پورا اترا۔ ورنہ خدا کے علم میں تو سب کچھ ہے۔ اس
آگ میں تپ کر وہی کندن بنا۔ اور ایمان کا دعویٰ کرنے میں جھوٹے
اور سچے کے اندر تمیز ہو گئی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

حضرت امامؑ تو وہ ہیں جن کی طرف سے کہا جاسکتا ہے۔ ع

ہم نے تو گھر کا گھر تری خاطر لُٹا دیا!

تشنیٔ "تقلیل کے لئے ہے اور سُہار کے لئے بھی اور

اس لئے بھی کہ دشمن کو اس سے بہت زیادہ دُکھ پہونچنے والا ہے۔
اس لئے شہیدِ کربلا پر جو گذری اس سے کہیں زیادہ یزیدیوں پر۔ اِس
زندگی میں بھی گذری اور دوسری زندگی میں بھی گزرے گی۔

"خَوف" ہر شخص کو پہلے اپنی جان کا ہوتا ہے پھر مال کا، اولاد کا،
اور خویش واقارب وغیرہ کا۔ اور یہ خوفِ نفس، طبیعت کی نامردی کی
دلیل ہے۔ کیا حضرت امامؑ کی پوری زندگی میں بھی اس کا کہیں پتہ ہے؟

"جُوع" میں کھانا پینا سب کچھ داخل ہے لیکن پانی کو اولیّت حاصل
ہے۔ وہ تین دن تک آپؑ کو اور آپؑ کے ساتھیوں کو میسّر نہ ہوا۔

"اَمْوال" میں زیادہ اور کم سب مال داخل ہے۔ روایت میں
ہے کہ حضرت امامؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے خیمے میں جو کچھ بھی تھا لوٹ لیا گیا۔

"اَنْفُس" میں اپنی جان کے علاوہ، دوست احباب، اور خویش

واقارب سب آجاتے ہیں حضرت امام کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔

"ثمرات" میں اولاد بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی والدین کے دلوں کا پھل ہیں۔ اور یہ معلوم کہ آپؑ نے اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔

"وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الخ" یہ ہر شہید اور ہر صابر کے لئے ہے لیکن جو سیّد الشہداء اور سیّد الصابرین ہو، اس کے لئے بشارتوں کا کیا ٹھکانہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس کے ساتھ اللہ خیر چاہتا ہے اس کو کچھ مصیبت دے دیتا ہے۔ اور آپؑ پر تو مصائب کی پکھالیں اُنڈیل دی گئیں۔

"اِسْتِرْجاع" کے متعلق خود حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

حضرت[1] امام احمدؒ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے

[1] اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنے سُنن میں بسند جید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کوئی

عورت اور کوئی مرد ایسا نہیں جو مصیبت میں مبتلا ہوا ہو

اور اسے یاد کرے اگرچہ اس کو زمانہ دراز گزر چکا ہو۔

پس وہ اس کے واسطے از سر نو استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا

اِلَیْہِ رَاجِعُوْن) کہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا کرنے پر

نئے سرے سے ویسا ہی اجر دے گا جیسا کہ مصیبت

پہونچنے کے روز اس کو اجر دیا تھا"

اب ایک ایک کرکے ان ابتلاؤ مصائب کو واقعات کربلا

میں دیکھ جانا چاہئے کہ کس طرح اور کس شان کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔

ہمارا تو خیال ہے کہ جب سے اس آیت شریف کا نزول ہوا ہے حضرت

امام حسین علیہ السّلام کے سوا کسی دوسرے پر اس اکملیت کے ساتھ

اس کا انطباق نہیں ہوا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور اب آپؐ کا ہدایت یافتہ اور فلاح یافتہ ہونا بھی انہی مدارج کیساتھ ثابت

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

حق کی راہ میں پہلے فدائی

حضرت امام مسلم کوفہ پہونچے۔ چند دنوں تک بڑی آؤبھگت ہوئی۔ مگر جیسے ہی عبداللہ بن زیادؓ نئے گورنر کوفہ نے انتظامات اپنے ہاتھ میں لئے اور تفتیش و دار و گیر کا آغاز کیا۔ مطلع صاف ہونے لگا اب حضرت مسلم کا ساتھ دینے سے ہر کوئی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگا۔ نوبت باینجا رسید کہ کوفہ کی وسیع زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ اتنی بڑی

آبادی میں صرف ھانی بن عروہ مرادی تھے جنہوں نے اپنے گھر میں آپ کو پناہ دی مگر اس الزام میں جلد ہی گرفتار ہو کر قید کر دئے گئے۔

حضرت مسلم کی گرفتاری کے لئے فوج کا ایک دستہ بھیجا گیا تھا۔ جب لوگ ان کی طرف بڑھے تو انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کی ٹھان لی اور تلوار سونت کر بولے۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ آزاد ہی رہونگا، اور آزاد ہی رہکر عزت کے ساتھ قتل ہوں گا۔"

لیکن دھوکے سے ان کو گرفتار کیا گیا اور ابن زیاد کے حکم سے شہید کر دئے گئے۔ حضرت امام مسلم "حق کی راہ میں پہلے فدائی" تھے جو حادثہ کربلا میں ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو شہید ہوئے اور اس کے بعد ہی آپؑ کے دو خورد سال صاحبزادوں کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ

وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ظاہر ہے کہ چھوٹے بچوں کا ہمراہ لانا
اسی لئے تھا کہ۔ اطمینان کی کیفیت تھی' کوئی خدشہ نہیں تھا اور لڑائی
جھگڑے کا خیال بھی نہیں تھا۔

حضرت امامؓ کے قاصد کی جرأت!

حضرت امام مسلم نے کوفہ پہونچکر کوفہ والوں کی شروع شروع
جس عقیدت کو دیکھا تھا' اس بناء پر نیز کوفہ والوں کے اصرار پر حضرت
امام حسین علیہ السّلام کو جو خط لکھا تھا اُس میں بھی آپؓ کی تشریف آوری پر
زور دیا گیا تھا۔ آپؓ نے اپنی روانگی کے بارے میں اس خط کا جو
جواب لکھا اُس کو لیکر حضرت قیس عربی اُس وقت کوفہ پہونچے
جب حضرت امام مسلم اور ان کے معصوم بچوں کی شہادت واقع ہو چکی

تھی۔ چنانچہ یہ بھی گرفتار کر لئے گئے اور ابن زیاد کے سامنے پہونچائے گئے

حضرت قیس عربی جس وقت ابن زیاد کے پاس پہونچے ہیں

تو خط ان کے پاس موجود تھا لیکن اس کو دیکھتے ہی چاک کر ڈالا۔

ابن زیاد بولا۔ یہ کیا چیز تھی جس کو تو نے پھاڑ ڈالا۔

قیس عربی۔ یہ ایک خط تھا جو امام حسین علیہ السلام کے

پاس سے لایا تھا۔

ابن زیاد۔ تو نے اس کو پھاڑ کیوں ڈالا۔

قیس عربی۔ اس لئے تاکہ تو پڑھ نہ لے۔

ابن زیاد۔ اب تیری رہائی اس پر موقوف ہے کہ تو

ان لوگوں کے نام بتلادے جن کے نام یہ خط تھا

یا یہ کہ تو لوگوں کے سامنے حسین (علیہ السلام) کو برا کہے۔

قیس عربی۔ مجھے دوسری شکل منظور ہے۔

ابن زیاد نے انتظام کرا دیا اور مجمع کے سامنے حضرت قیس عربی نے یہ تقریر کی۔

"کوفہ والو! میں رسول اللہؐ کے نواسہ کا قاصد ہوں۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ خلافت کے لائق وہی ہیں۔ وہ اب یہاں پہونچا ہی چاہتے ہیں۔ تم ان کی دعوت پر لبیک کہو۔ میں ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کرتا ہوں۔"

اس کے بعد یزید کی باری آنے والی ہی تھی کہ ان کا منہ بند کر دیا گیا۔ اور ابن زیاد کے حکم سے محل کی چھت پر لیجا کر نیچے گرا کر شہید کر دیا گیا۔

مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات

ٹھیک اُسی دن اور اُسی تاریخ یعنی ۸ ذی الحجہ کو جس دن حضرت مُسلم کوفہ میں شہید ہوئے ہیں حضرت امام حسین علیہ السّلام مکّہ سے عازمِ کوفہ ہوئے اور آپؑ کے تاریخی "مشن" کا آغاز ہوا۔ اور ہر موقع پر اخلاق کریمانہ کی بارش ہوتی رہی تعلیم و تبلیغِ حق جاری رہی۔

مقامِ صفاح پر آپؑ پہونچے تو اس وقت تک حالات بدل چکے تھے۔ حضرت مسلم اور ان کے صاحبزادوں کی شہادت واقع ہو چکی تھی آپؑ کے قاصد حضرت قیسِ عربی شہید ہو چکے تھے ابنِ زیاد کی طرف سے ایسے انتظامات عمل میں آچکے تھے جس سے کوفہ والے اب وہ کوفہ والے نہیں رہے تھے جنہوں نے آپؑ کو

کئی سو خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اور ان سب باتوں کی حضرت امام حسین علیہ السلام کو اطّلاع تھی۔

اسی مقام پر مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی جو خاندانِ نبوت کا مدّاح تھا اور کوفہ سے آ رہا تھا آپؑ نے کوفہ والوں کے حالات دریافت کئے تو اُس نے کہا۔

"قلوب آپؑ کے ساتھ ہیں اور تلواریں، بنی اُمیہ کے ساتھ، رہا فیصلہ تو وہ خدا کے ہاتھ ہے۔

ارشاد ہوا۔

"بے شک اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے (کل یوم ھو فی شان)

اگر اس کی مشیت ہمارے حسب حال ہے تو
ہم ثنا و صفت کریں گے اور اگر معاملہ امید کے خلاف
ہو تب بھی نیک نیتی اور تقوے کا اجر کہیں نہیں گیا ہے۔"
قرآن و حدیث نے بھی تو عمل کا دارومدار نیت ہی پر موقوف
رکھا ہے۔ اور حضرت امامؑ بھی یہی فرما رہے ہیں۔
حالات کے معلوم ہونے اور اس کے انجام پر نگاہ کرنے
کے بعد آپؑ نے اپنے ساتھ والوں کو جمع کیا اور ان سے کہا۔
"اب ہمارا کوفہ میں کوئی مددگار نہیں ہے، لہٰذا تم میں
سے جو کوئی ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ سکتا ہے۔
ہم کو اس کا رنج نہ ہوگا۔"
یہ ایک فرض تھا جو آپؑ کی طرف سے ادا کیا گیا، کیٹرے

ٹکڑوں کا سوال نہیں لیکن پروانے شمع کو کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔

بے شک ایسے موقع پر کوئی دنیا دار سیاست داں ایسا نہیں کرتا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ زمانہ سازی سے کام لیا جاتا ہے۔ جھوٹے وعدے کئے جاتے ہیں سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ طاقت ہو تو جبریہ فوجی بھرتی کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ اور جو جان صرف خدا کے واسطے ہوتی ہے وہ چند سکوں کے عوض اپنے ناجائز اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے خرید لی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کو جتنے یزیدی نظر آئیں گے اسی کی مصداق نظر آئیں گے۔ مگر ایک حسینؑ ہیں کہ ان کی شان نرالی ہے بجائے جتھا بڑھانے کے کم کر رہے ہیں۔

پس! یہ انصاف نہ ہوگا کہ حسینؑ کی رحمانی سیاست کو اسی پیمانہ سے ناپا جائے جو عام انسانوں کی سیاست کے ناپنے کے لئے

مقرر کیا گیا ہو۔ ھٰذَا ظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔

وقت تھا کہ آپؑ واپس بھی ہو سکتے تھے اور دوسری قسم کی تیاری بھی کر سکتے تھے مگر نہیں، سب کچھ سننے اور جاننے پر بھی اسی حال میں سفر جاری ہے۔ خاندانِ نبوّت کا ہر بچّہ جوانمرد بنا ہوا ہے، رفیقِ سفر ایک ایک، ہزار ہزار پر بھاری ہونے کا اپنے اندر جذبہ محسوس کر رہا ہے۔ فکر اور غم و اندوہ، بُزدلی اور پست ہمّتی وغیرہ جو ایسے موقع پر اُدبدا کر آجاتی ہیں ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ خدا کی راہ میں نثار ہو جانے کا خیال پیدا ہو چکا ہے۔ اور اس روحانی مسرّت سے قلوب آشنا ہو رہے ہیں جو شُہدا کو شہید ہونے سے پیشتر مُیسّر ہوا کرتی ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی جو عیش و خوشی ان کو حاصل ہونے والی ہوتی ہے اس کا پَرتَو پڑتا ہے اور یہ قاعدے کی بات ہے ایسا ہونا ہی چاہئے تھا۔

لیکن اس لذّت سے آشنا ہونا ذوقِ صحیح اور وجدانِ صحیح پر منحصر ہے۔

حُرؔ سے ملاقات

یزید کو جو پڑی ہوئی تھی اور اس کو جو نظر آرہا تھا۔ اُس نے اس کو ایک ہی بات سوچنے دیا۔ وہ توازن دماغی کو کھو بیٹھا تھا اور اب اس سے صرف وہی حرکت سرزد ہو رہی تھی جو ایسے موقع پر خودغرض اور معمولی آدمیوں سے سرزد ہوا کرتی ہیں۔ بہرے سے یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کا وجود ہی مجسّم خطرہ نظر آرہا تھا۔ صلح و نیکی وغیرہ کے لئے کوئی راہ کھلی نہیں رہ گئی تھی۔ اس لئے ایک طرف تو خود یزید کو حضرت امام حسین علیہ السّلام کی نقل و حرکت کا پتہ تھا دوسری طرف ابن زیاد نے جاسوس مقرّر کر رکھے تھے جو ہر مقام اور ہر

کوچ کی اطلاع پہونچا رہے تھے۔

اہتمام یہ تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام اب نہ مکّہ کو واپس ہو سکیں نہ کوفہ پہونچ سکیں نہ کسی اور طرف کا ارادہ کر سکیں اور نہ ہی کسی ایسے مقام پر ٹھیر سکیں جہاں سے کوئی مدد مل سکے۔

آخر یہ خوف کیوں تھا؟ اور یہ طریقِ جنگ کونسا تھا؟ اور بیعت حاصل کرنے کے لئے یہ کونسی شریعت کا حکم تھا۔ اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص سوچ سکتا ہے اور فیصلہ کر سکتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے ایک مرتبہ نہیں متعدد مرتبہ اس کا موقع دیا گیا اور اس بات کا واضح طور پر اعادہ کیا گیا کہ آپؑ قرآن و حدیث کی پیروی اور خلفائے راشدین کی سنّت میں قیامِ خلافت کے خواستگار ہیں۔ یزید نے اس کے خلاف کیا ہے۔

اور خلاف کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔ اور جو عہد
امیر معاویہؓ نے کیا تھا وہ توڑا نہ جائے۔

لیکن کیا یزید اور یزیدیوں کی طرف سے اس کی تردید کی گئی
اس کو غلط ثابت کیا گیا۔ اور کیا اس کا ادعا یا اقرار کیا گیا کہ ہاں واقعی
حکومتِ الٰہیہ کا قیام عمل میں آنا چاہیئے اور ہم خلفائے راشدین
ہی کی سنت ادا کر رہے ہیں یا کریں گے؟

بات یہ ہے کہ وہ مدِّ نظر ہی نہیں تھا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کا
مطالبہ تھا۔ اس لئے اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی اور وہ جبر و استبداد
اور قوت کا مظاہرہ تھا۔ ھاتوا برھانکم اِنْ کُنْتُم صٰدِقِیْنِ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا نہ تو یزید کے پاس اور کوئی
کام رہ گیا تھا نہ ابن زیاد کے پاس کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے

جبر یہ بیعت حاصل کی جائے یا اُن کو شہید کر کے اطمینان کا سانس لیا جائے۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایکہزار فوج پر حُرؔ بن یزید ریاحی کو افسر بنا کر اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ حضرت امام حسینؑ جہاں بھی ملیں ان کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ حُرؔ نے ایسا ہی کیا اور مقام شرافؔ پر پہونچکر حضرت امام اور ان کے ساتھیوں کو ایک طرح سے مقیّد کر لیا۔

جس وقت حُرؔ مع فوج پہونچا ہے تو آپؑ اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے فوج کے آنے پر بھی کسی کو کوئی تشویش نہیں ہوئی۔ بلکہ آپؑ نے اپنے اخلاقِ کریمانہ اور افعالِ فاضلہ سے اُن کی آسائش اور تواضع کی طرف توجہ فرمائی۔

ساقیِ کوثر کے لختِ جگر نے لوگوں کو پیاسہ دیکھکر پانی کی

سبیل قائم کردی۔ اس میں کا ایک فوجی علی بن طعان المحاربی جو سب سے اخیر میں پہونچا اس کا بیان ہے۔

"حضرت امام حسینؑ نے مجھے پانی کا خواستگار پاکر کہا۔ بھائی پانی کے اونٹ کو بٹھالے اور مشک سے پانی پی لے۔ میں نے کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوتے دیکھ کر حضرت امامؑ نے خود ہی مشک کو ٹیڑھا کر دیا اور پھر مجھے اور میرے گھوڑے کو پیٹ بھر کر پانی پلا دیا۔"

شہنشاہِ کونین کے لاڈلے کا یہ سلوک اس کے ساتھ ہے جو مخالف فوج کا ایک فرد ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم!

تو کہ با دشمناں نظر داری!

اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ امامِ وقت کے پیچھے حُرؓ اور اُس کی فوج نے بھی نماز ادا کی۔

اس کے بعد حُرؓ سے گفتگو ہوتی رہی، حُرؓ نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور آپؑ کو ابن زیاد کے پاس چلنے کے لئے کہا۔ اس نوبت پر آپؑ کڑک کر بولے۔

"وَاللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔ موت سے پہلے یہ ناممکن ہے۔"

حضرت امام ایک مشن پر روانہ ہوئے تھے۔ لہٰذا آپؑ نے اپنے مقصد کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا، ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوئے۔ رشد و ہدایت کا یہ دریا ہر جگہ موجیں مارتا رہا چنانچہ جب مقامِ بیضہ پر پہونچے ہیں تو۔ حمد و ثنا کے بعد پہلے

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا پھر فرمایا۔

"لوگو! رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی
ایسے حاکم کو دیکھے جو ظالم ہے، حدود اللہ کو توڑتا ہے،
خدا سے کئے ہوئے عہد کا پاس نہیں کرتا۔ اور وہ شخص اس
حاکم کی مخالفت نہیں کرتا تو خدا اس کو عذاب کے مقام میں
اُتارے گا۔ یزید اور اس کے لوگ شیطان کی پیروی میں
لگ گئے ہیں، رحمٰن کے باغی ہو گئے ہیں۔ فساد کے مرتکب
ہو رہے ہیں۔ احکامات الٰہیہ کو معطّل کر چکے ہیں بیت المال
پر ان کا ناجائز قبضہ ہے، انہوں نے خدا کی حرام کی ہوئی
چیزوں کو حلال کر دیا ہے اور جس چیز کو اس نے حلال
فرمایا ہے اُسے وہ حرام ٹھیرا چکے ہیں اس لئے میں ان کی

سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ

ذمّہ دار ہوں۔"

اس تقریر سے تین باتیں صاف طور پر ظاہر ہیں۔

۱۔ یزید اور اس کے طرف داروں کا "غیر قرآنی" ہونا۔

۲۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقصد۔

۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذمّہ داری۔

حضرت امامؑ جس امر کا اعلانیہ وعظ فرما رہے تھے موقع تھا کہ اگر یہ بات غلط تھی تو اس کی تردید کی جاتی اور یزید و یزیدی اپنے کو حق بجانب قرار دینے کے لئے ثبوت پیش کرتے۔ لیکن تاریخ کے صفحات سادہ اور کورے ہیں۔ ان کی طرف سے نہ کوئی تردید ہے نہ ثبوت۔ رہا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا معاملہ تو یہ اتنی

ضروری اور بنیادی چیز ہے کہ جس دن سے عام مسلمان اس فرض سے غافل ہوئے ہیں اسی دن سے اسلام کمزور ہو گیا ہے اور اس کی ترقّی رُک گئی ہے اور پھر جب تک اس کا اجرا نہ ہو گا یہی عالم باقی رہے گا۔ یہ مقصد تو ایسا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے "قیدخانہ" میں بھی فراموش نہیں کیا۔

رہا یہ امر کہ حضرت امام کوئی غیر شرعی پہلو اختیار کرتے تو یہ شاہین میں کنجشک کی فطرت تلاش کرنا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس پوزیشن میں ہیں اور فرعون جو مالکِ تخت و فوج ہے اس کو سرزنش کے لئے بھیجے جا رہے ہیں اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ○ گویا پوری حکومت کو راہِ راست پر لانے کے لئے ایک شخص کو

ایک شخص کو بھیجا جا رہا ہے "کیا کوئی مسلمان اس کو بھی ہلاکت میں پڑنے سے تعبیر کرنے کو تیار ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کی یہ سیاست بھی قابل اصلاح سمجھی جائے گی۔

حضرت امام کی اس تقریر کے بعد بات صاف ہو گئی۔ اب نہ کسی طرح کا الجھاؤ ہے اور نہ کسی طرح کی پیچیدگی۔

ایک اور تقریر

حضرت امام عالیمقام لگی لپٹی رکھنے والوں میں نہیں تھے آپکو تو صرف حق کہنا تھا بلکہ دنیا کو بھی حق گوئی کا سبق دینا تھا۔ اس لئے اب تو وقت ہی آگیا تھا کہ آپؑ وہ سب کچھ کہہ ڈالیں جو دوسروں کے لئے انکھی ہوتا ہے

جرم را اینجا عقوبت ہست استغفار نیست!

آگے بڑھے تو ایک مقام پر آپؑ نے ایک اور تقریر فرمائی وھو ھٰذا

"لوگو معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے، تم دیکھ رہے ہو، دنیا کا رنگ بدل چکا ہے، اس نے (بھلائی سے) اپنا منہ پھیر لیا ہے، نیکی سے خالی ہو گئی ہے۔

افسوس! تم دیکھ رہے ہو کہ، حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے، باطل پر عمل ہو رہا ہے، کوئی نہیں جو اس کو روکے وقت آگیا ہے کہ مومن خدا کی راہ میں قربان ہو جانے کی آرزوئیں کریں"۔

میری ذات کے متعلق سنو! کہ میں تو شہادت ہی کی موت مرنا چاہتا ہوں، ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے"۔

یہ تقریر نہیں ہے کتابِ حریّت کا دیباچہ ہے جس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف سے قیامِ حق کی تڑپ، باطل سے انتہائی بیزاری کا اظہار ہے۔

حضرت امامؑ کے پیکر میں روحِ قرآن بے چین ہے، حق آپؑ کی زبان پر کھیل رہا ہے۔ اور انشاء اللہ جب تک دنیا قائم ہے قرآن کی یہ زندہ اور عملی تفسیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

کوئی ان تقریروں کو پڑھے اور بار بار پڑھے اور ہزار بار پڑھے کہ پڑھنے ہی کی چیزیں ہیں۔

"ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے" جس کے یہ پاک جذبات تھے اور جس کی مقدس زبان سے یہ بول ادا ہوئے تھے۔ یقیناً اس کے تذکارِ مقدس ہر سال کیا ہر ماہ دُہرائے

جانے کے لائق ہیں۔

گاہ گاہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را   تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

حسین ابن علیؓ کو قدرت نے "قرآنی عقابی نگاہ" عطا فرمائی تھی جس سے آپؑ دیکھ رہے تھے کہ آپؑ تنہا اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے آپؑ کا دیکھنے والا بھی کوئی نہیں۔ سچ ہے پھر جینے کا لطف ہی کیا باقی رہ گیا تھا۔ ع روح را صحبتِ ناجنس عذابیست الیم!

حضرتِ امامؑ کی نظروں میں ان حالات کے تحت جینا "جرم" تھا۔ تو کیا کوئی شخص اپنی "سراپا جرم زندگی" پر قیاس کر کے آپؑ کے لئے بھی یہ رائے قائم کرنے کا مجاز ہے کہ آپؑ دیدہ و دانستہ جرم کے مرتکب ہوتے رہتے۔

یہ مخاطبت غیروں سے نہیں اپنوں سے تھی اس لئے ایک

طرف سے صدا بلند ہوئی۔

"فرزند رسول اللہ! خدا آپؑ کے ساتھ ہو ہم نے

آپؑ کی تقریر سُنی' خدا کی قسم اگر دنیا ہمیشہ ہمارا ساتھ دے

اور ہم اس میں صدا باقی رہنے والے ہوں۔ تب بھی ہم

آپؑ کا ساتھ دینے کی خاطر اس کو چھوڑ دینگے۔ آپؑ کے

ساتھ مرجانے کو ہمیشہ کی زندگی پر ترجیح ہے"

آسمانی بشارتیں اور آسمانی جھڑکیاں بہرحال اپنا کام کرتی ہیں اور

دل' جو ان کا مقام ہیں اس میں اپنی جگہ تلاش کر لیتی ہیں۔ یہ صدا

زہیر بن القین البجلی کی تھی۔

سفر جاری ہے' حُرؓ مع اپنی ایک ہزار فوج کے پیچھے لگا ہوا

ہے۔ ایک مقام پر کہتا ہے'

"اے حسینؑ، اپنے معاملہ میں غور کیجئے" میں جتائے

دیتا ہوں کہ اگر آپؑ جنگ کریں گے تو قتل کر دیے جائیں گے"۔

باپ[1] کا مقولہ ہے۔

"مرد ایک مرتبہ مرتا ہے اور نامرد کو ایک دن میں

ہزار مرتبہ موت آتی ہے"

سپوت بیٹے کا جواب تھا۔

"اے حُرؑ! نیت اگر نیک ہو اور جہاد در پیش

تو مرد کے لئے موت ذلّت نہیں ہے"

معلوم ہے کہ حُرؑ کے ساتھ ایک ہزار فوج ہے اور اس کی کمان

اس کے ہاتھ میں ہے اور آپؑ کے ہمراہ گنتی کے چند نفوس ہیں مگر ان کا

---

[1] مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔

آپؑ پر کوئی رعب نہیں۔ بلکہ وہ خود خوف کھائے ہوئے ہیں، روٹی کا معاملہ نہ ہوتا تو آپؑ کے سامنے سے ایسا بھاگتے جیسے شیر کے سامنے سے بھیڑیں۔

راستہ طے ہو رہا تھا اور دنیا کا یہ عجیب مسافر، عجیب مقصد کے لئے عجیب منزل کی طرف عجیب کیف و سرور کے عالم میں چلا جا رہا تھا۔ جو دنیا کے لئے نامعلوم لیکن خود اس کے لئے معلوم تھے۔

طرماح بن عدی

اجا کے قریب جب آپؑ پہونچے ہیں تو طرماح بن عدی سے ملاقات ہوئی۔ جو اہل بیت سے عقیدت رکھنے والوں میں تھے۔ انھوں نے درخواست پیش کی۔

"آپؑ اپنا سفر ملتوی فرما دیں اجا یہاں سے

قریب ہے۔ میں وہاں آپؑ کو اُتارتا ہوں۔ چند دنوں میں
آپؑ کے سچے طرفدار اتنی تعداد میں آپؑ کے گرد جمع
ہو جائیں گے کہ پھر آپؑ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی
نہ دیکھ سکے گا۔"

حضرت امامؑ نے شکریہ ادا کیا، دعا دی اور فرمایا۔

"مجھ سے اور کوفہ والوں سے جو عہد ہو چکا ہے
اس کی موجودگی میں، میں کوئی دوسرا قدم نہیں اٹھا سکتا
خدا ہی کو معلوم ہے کہ ہمارا ان کا معاملہ کس حد تک
پہونچ کر ختم ہوگا۔"

یہ ہے اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا
بِالْعُقُودِ پر عمل کرنا۔

یہ آپؑ کس سے کہہ رہے ہیں یہ بھی معلوم کر لیجئے۔

طرماح بن عدی

(میں کوفہ سے آرہا ہوں) وہاں آدمیوں کا اتنا بڑا انبوہ

دیکھا ہے کہ آج تک میری آنکھوں نے کسی ایک مقام پر

نہیں دیکھا اور یہ سب آپؑ کے لئے جمع کئے گئے ہیں۔"

دنیا کے اعاظم الرجال، فاتحین اور محیّر العقول کارنامے والوں کے حالات روایتی طور پر زبانی بھی مشہور ہیں اور تاریخ کی کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں مگر امام حسین علیہ السلام کے حالات سب سے نرالے اور سب سے زیادہ محیّر العقول ہونے کے ساتھ سبق آموز بھی ہیں۔

طرماح نے تو کوفہ کے متعلّق یہ بات کہی تھی مگر خود سایہ کی طرح آپؑ کے ساتھ حُر کی ایکہزار فوج جو لگی ہوئی تھی کیا کم تھی اگر وہی ٹوٹ پڑتی تو

کربلا تک پہونچنے کی نوبت ہی نہ آتی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
امام کو گویا اس کی موجودگی کا ہی علم نہیں۔

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو!

یہ عجیب عہد تھا جو کوفہ والوں سے بندھا تھا۔ اس کے پاس
کی بھی انتہا ہو گئی۔

حُر کے نام ابن زیاد کا خط

اپنی جگہ پر ایک شخص حق میں بھی کمال حاصل کر سکتا ہے اور
باطل میں بھی۔ رحم و کرم اور عدل و انصاف میں بھی ترقی کر سکتا ہے اور ظلم
و ستم میں نا انصافی میں بھی یہی دوسری شق یزید اور یزیدیوں کے

حصہ میں آچکی تھی۔ چنانچہ ابن زیاد گورنر کوفہ نے حُرؒ کے نام اس مضمون کا خط لکھا۔

"حسینؑ کہیں ٹھیرنے نہ پائیں، کُھلے میدان
کے سوا کہیں اُترنے نہ پائیں، میرا یہ قاصد تیرے ساتھ
رہے گا تاکہ تو میرے حکم کی پوری تعمیل کر سکے۔"

باطل پرستوں کو اپنوں پر بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ ابن زیاد کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جمہور مسلمانوں کے قلوب حضرت امامؑ کے ساتھ ہیں اب جو کچھ ہو سکتا ہے وہ قوّت سے ہو سکتا ہے، دھوکے سے ہو سکتا ہے، ظلم و ستم سے ہو سکتا ہے اور زمانہ سازی سے ہو سکتا ہے۔ "غیر اللہ کی حکومت" کا جُوا ایک مرتبہ کاندھے پر جہاں رکھا گیا۔ بس مداہنت فی الدّین کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ پھر اللہ ہی

جس بندے پر فضل کرے وہ بچ سکتا ہے۔ چنانچہ حُرؒ کو بھی آپؑ کے

معاملہ میں اب زیادہ مستعد ہو جانا پڑا۔

ایک "حسینی" نے اس قاصد سے کہا

"تیری ماں تجھکو روئے" یہ تو اپنے ساتھ کیا لایا ہے"

"یزیدی" نے جواب دیا

"میں نے اپنے امام (یزید) کی اطاعت کی ہے

اور بیعت کا حق ادا کیا ہے۔"

"حسینی" نے کہا "بیشک تو نے اپنے امام کی اطاعت اور اپنے خالق کی نافرمانی کی ہے اور پھر یہ آیت پڑھی

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور ہم نے نافرمانوں میں سے بعض کو امام بنا دیا ہے جو دوزخ کی طرف دعوت

لَا يُنْصَرُوْنَ ٥

دیتے ہیں اور وہ قیامت کے دن مدد نہیں کئے جائیں گے

نعرۂ مسرّت

ایک دن حضرت امام اچانک نیند سے بیدار ہوے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا پھر تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن کہا۔ آپؑ کے صاحبزادے حضرت علی اکبرؑ نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا۔

"جانِ پدر! میں نے اس وقت خواب دیکھا ہے

کہ ایک سوار یہ کہتا چلا جا رہا ہے "لوگ" چلتے ہیں اور

موت ان کے ساتھ چلتی ہے۔"

اس کی تعبیر یہ ہے کہ گویا مجھے میری موت کی خبر سنائی گئی ہے"

حضرت علی اکبرؑ نے مسرّت آمیز نعرہ مارا اور فرمایا۔

"اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پروا نہیں"

باپؓ نے بیٹےؓ کی یہ مسرّت آمیز گفتگو سُنی تو ارشاد ہوا۔

"بیٹا شاباش! سعادتمند لڑکے اپنے باپؓ کا

ایسا ہی ساتھ دیتے ہیں، اللہ تجھے جزائے خیر دے"

ہر باپ اور بیٹے کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کَلَّآ اِنَّھَا

تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝

رزم گاہِ کربلا

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا اجرش دہد ایں عاشقان پاک طینت را!

دنیا جنگ کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی، حقوق طلبی اور

مطالبات کے لئے قید و بند، دار و رسن اور قربانیاں پیش ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ خدا کی زمین خدا کی دی ہوئی دولت اور خدا کی بخشی ہوئی جانوں کو اپنا بنانے کے لئے آگ اور خون کی ہولی کھیلتی رہی ہے اور کھیلتی رہے گی۔ الغرض انسان اپنی اور دوسروں کی اِتبّاعِ ہوائے نفس میں جو کچھ کر سکتا ہے کرتا رہے گا لیکن مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کو صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہو گیا ہو۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر کارنامہ ان کے پیدا کرنے والے کی مرضیات کے تابع ہو۔

حکومت اور ملک گیری کی ہوس کس کو نہیں ہوتی، ذاتی تفوّق اور اغراض طلبی سے کتنے ہیں جو خالی ہوں لیکن آہ!! ادر صد آہ! کہ خدا کی زمین کو خدا کی زمین قرار دینے والوں کی کمی رہی ہے۔

اور رہے گی، آسمانی قوانین کے نفاذ اور آسمانی حکومت کے قیام کے لئے کوئی قدم اُٹھانا اور کوئی قربانی پیش کرنا سب کی قسمت میں نہیں ہوتا۔ ع طعمۂ انجیر رزقِ زاغ نیست۔

سعادت و شقاوت کے ان دونوں پہلوؤں کو رزمگاہِ کربلا کے ذریعہ سے قدرت نے بڑی فراخدلی سے ظاہر فرما دیا۔ ایک طرف تو قہرمانی طاقت لئے ہوئے "یزید و یزیدی" اور اُن کے مقاصدِ فاسدہ ہیں۔ دوسری طرف "حسینؑ" اور حسینی ہیں جن کے پاس کچھ نہیں لیکن جن کے اعلیٰ مقاصد کے سامنے آسمان بھی سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔

انھیں مقاصد کی تکمیل کے لئے جو قدم اُٹھ چکا ہے وہ آگے بڑھ رہا ہے نہیں بلکہ ہر ہر قدم پر معلوم نہیں کون کون سے

مدارجِ سلوک طے ہوتے گئے بالآخر ۲ محرم ۶۱ھ پنجشنبہ کے دن امام عالی مقام ایک ایسے مقام پر پہونچے جو سنسان، اُجاڑ اور پانی سے دور تھا۔ دریافت کرنے سے اس کا نام کربلا معلوم ہوا۔ آپؑ نے فرمایا

"بے شک یہ کرب اور بلا ہے"

یہی وہ مقام ہے جہاں اپنی نوعیت کا دنیا کا سب سے اہم اور بڑا واقعہ رونما ہوا۔ حق و باطل کا فیصلہ ہوا۔ حق تا قیامت کے لئے اُجاگر ہوا باطل خائب و خاسر ہوا۔ سب سے بڑی قربانی یہیں پیش کی گئی، ملوکیت کی تخریب کے بعد بنائے قصرِ حکومتِ الٰہیہ کے لئے پاک خون کی جہاں کی مٹی میں آمیزش کی گئی۔

شدیم خاک ولیکن ببوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد!

عمر بن سعد

قدم کا اٹھنا ہی سب کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ قدم غلط بھی اُٹھ سکتا ہے، اور وہ قعرِ جہنّم میں بھی گرا سکتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ قدم صحیح اُٹھایا ہے یا نہیں؛ اسی فرق کا ملحوظ رکھنا بصارت و بصیرت پر موقوف ہے اور ہمّت و جوانمردی کا کام۔

حضرت سعد بن وقّاص رضی اللہ عنہ فاتحِ فارس و ایران ایک جلیل القدر صحابی تھے جن کا کارنامہ اعلائے کلمۃ اللہ اور خدا کے ملک و زمین کو غاصبوں کے قبضہ سے نکالنا تھا اور کفار و مشرکین سے جہاد کرنا تھا آج ان کا بیٹا عمر اس کے برعکس قدم اُٹھا رہا ہے اس انعام کی خوشی میں کہ یزید کی طرف سے وہ بھی کہیں کا گورنر بنا دیا جائے گا ع انقلابات ہیں زمانے کے

ایمان فروشی، ضمیر کُشی، دنیا طلبی اور غلط قدم اُٹھنے کا یہ مظاہرہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے لیکن اسی پر کیا موقوف جس کسی کی بھی زندگی کا مقصد غلط ہو جائے، وہ یہی کرتا ہے اور یہی کرتا رہے گا۔ اسی طرح سے یزیدؔ، ابنؔ زیاد اور عمرؔ سعد پیدا ہوتے رہیں گے۔

عبدؔ اللہ بن زیاد حاکم کوفہ نے یزید کے فرمان کے تحت عمرؔ بن سعد کو چار ہزار فوج کا سپہ سالار بنا کر اور اس مہم کا انچارج کر کے دوسرے دن اسی مقام پر بھیجا جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام اب مقیم تھے۔

عمر سعد نے حضرت امام سے اس طرف آنے کا مقصد دریافت کیا آپؑ نے اس سے پہلے جو جواب حُرؔ کو دیا تھا عمر سعد کو

بھی وہی جواب دیا اس لئے کہ اصلاحِ حال کے لئے ہر حال میں آپؑ کے سامنے اوّل روز سے وہی ایک مقصد تھا، نہ حالات بدلے تھے نہ زمانہ بدلا تھا نہ یزید و یزیدی بدلے تھے اور نہ خود آپؑ بدلے پھر جواب کیوں کر بدلتا۔

دنیا میں اُمتیں جب کبھی راہِ راست سے ہٹی ہیں تو اللہ والوں کی طرف سے اُن کی درستگی کے لئے ایک ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور وہ آسمانی تعلیم ہے، یزیدی دور کے لئے بھی اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بلکہ ہر دور میں اسی صراطِ مستقیم کو اختیار کرنا ہوگا جو قرآن پیش کرتا ہے ورنہ اس کے برعکس اختیار کرنے والے اور کرانے والے دونوں ہی یا تو مغضوب میں ہوں گے یا ضالین میں سے

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است!

یزید کا خط

اسی اثنا میں ابن زیاد کے پاس یزید کا ایک خط آیا جس کے
متعلق اس نے حضرت امام کو لکھا۔

"اے حسینؑ تمہارے متعلق مجھے یزید نے
لکھا ہے کہ میں تمہیں یزید کی بیعت پر راضی کروں
اور اگر یہ نہ ہو سکے تو تمہیں قتل کر ڈالوں۔ اور سر
یزید کے پاس بھیجدوں۔ لہٰذا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ
تم یزید کی بیعت قبول کر لو۔ بہ شکلِ دیگر لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ۔"

اس خط کا حضرت امامؑ عالیمقام نہیں بلکہ آپؑ کے غلامانِ غلام
میں سے کسی باغیرت ایماندار پر بھی کیا کوئی اچھا اثر ہو سکتا تھا؟
کیا صلح وصفائی اس جذبہ کے تحت ممکن تھی؟ اور کیا حضرت امامؑ کے

اعتراض اور مطالبہ کا اس میں کوئی جواب ہے ؛ نہیں بلکہ باطل پر جمے
رہنے پر اصرار ہے' طاقت پر گھمنڈ ہے اور قوّت کا مظاہرہ ہے۔
بے شک حضرت امامؑ باغی تھے' مگر خدا کے نہیں' یزید کے'
لیکن برعکس اس کے یزید اور یزیدی خدا کے باغی تھے۔ حضرت
امامؑ نے جو بغاوت اختیار کی تھی جملہ انبیاء' و رسل کی سنّت تھی لیکن یزید
جس بغاوت کا مرتکب تھا وہ فرعون و نمرود کی پیروی میں تھی۔ حضرت
امامؑ یزید کی بیعت کر کے شاید یزید سے صلح کر لیتے مگر پھر خدا سے
کبھی صلح نہ ہوتی۔ اس لئے آپؑ نے یزید سے صلح کرنے پر خدا کی صلح کو ترجیح دی۔

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد
یک کار ازیں دو کار مے باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد
یا قطعِ نظر زِیار مے باید کرد

دنیا والوں کی نگاہ کا پھر جانا یہاں کسی شمار میں

نہیں لیکن خدا کی پھری ہوئی نگاہ ناقابلِ برداشت ہے۔

یارب آنکہ تو بر نہ گردد

برگردنِ روزگار سہل است!

مصیبت یہ تھی کہ ذہنیت مسخ ہو چکی تھی۔ یزید اور یزید کے حاشیہ نشیں جس صورتِ حال میں مبتلا تھے وہ حضرت امامؑ اور ان کے مقاصدِ عالیہ کو سمجھنے اور پورا کرنے سے ہی قاصر تھے۔

آہ! وہ قافلہ روانہ ہو چکا تھا حضرت امامؑ جس کے بچھے ہوئے ایک فرد تھے۔

محوی چہ نواست ہمنوایاں رفتند! بیگانہ نشیں کہ ہمنوایاں رفتند!
ایّامِ خزاں رسید و گلہا ہمہ ریخت! از صحنِ چمن نغمہ سرایاں رفتند!

افسوس! یزید اور یزیدی خود جس سطح پر تھے، صاحبِ معراج کے

دوش نشیں کو بھی اُسی سطح پر سمجھ رہے تھے یا کم سے کم اس آسمان کے تارے کو زمین پر لانا چاہتے تھے اور یہ ناممکن تھا۔ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ

حضرتِ امامؑ عالیمقام صاحبِ عزیمت تھے، ایمان و عملِ صالح کا جوش مارتا ہوا سمندر تھے جس کے ایسے اور ایسوں کے مطالبات کا زورقِ حیات غرق ہو جاتا اور خس و خاشاک کی طرح بہ جاتا ہے۔ چنانچہ قاصد نے خط کا جواب مانگا تو آپؑ نے فرمایا

"مَا لَہٗ عِنْدِیْ جَوَاب۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں"

محاصرۂ آب

ظالم جب ظلم پر اُتر آتا ہے اور اس کو اس پر کچھ اختیار بھی ہوتا ہے تو پھر کیا کچھ نہیں کرتا۔ تاہم اگر "یزید اور یزیدی" اس کا پورا مظاہرہ نہ کرتے تو حضرت امامؑ عالیمقام کے ظاہری

و باطنی اوصاف کیونکر چمکتے۔

یزید نے اپنے مثیل ابنِ زیاد کا انتخاب اس لئے کیا تھا
کہ وہ اس کے مقاصد کو اچھی طرح پورا کرسکے گا اور واقعی اس نے اس میں
کسی طرح کی کمی کی بھی نہیں۔

قاصد نے واپس ہو کر حضرت امامؑ کے غیظ و غضب کا حال
بیان کیا تو ابنِ زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اب اُس نے
اپنے احکامات کے تحت آپؑ اور آپؑ کے رفقاء پر پانی بھی بند کر دیا۔

ہر کہ دریں بزم مقرّب تر است!

جام بلا بیشترش میدہند!

چنانچہ عمرو سعد کی سپہ سالاری میں عمرو بن الحجاج پانسو
سواروں کا افسر بنا کر فرات کے کنارے خاصکر اسی غرض کے لئے

متعین کیا گیا کہ حضرت امامؑ اور اُن کے ساتھیوں کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہونچ سکے۔

حسینیؓ کرامات

عبد اللہ بن ابی حصین، یزیدی فوج کے ایک سردار نے حضرت امامؑ کو پکار کر کہا

"حسینؓ! دیکھتے ہو، یہ پانی کیسا میٹھا ہے لیکن تمہیں ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ تم پیاس کے مارے مرجاؤ گے؛

ایک راوی چشم دید کہتا ہے۔

"خدا کی قسم، میں نے عبد اللہ بن ابی حصین کو اس حال میں دیکھا کہ وہ پانی پیتے پیتے تھک جاتا تھا

مگر پیاس کسی طرح نہیں بجھتی تھی، آخر اسی حال میں مر گیا۔"

شمر کی آمد

عبید اللہ ابن زیاد گورنر کوفہ کو عمر سعد کی طرف سے میدان کربلا سے ہر روز خبریں پہونچ رہی تھیں اور وہ بھی سخت سے سخت احکامات بھجوانے میں مصروف تھا۔

حضرت امام کا مطالبہ اور آپؑ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ یکبارگی آپؑ پر ہاتھ ڈالنے کی کسی کو ہمت ہوتی۔ اُس پر یہ بھی مشکل آن پڑی تھی کہ حضرت امامؑ اب تک بالکل نرمی برت رہے تھے، جنگ و جدال کا نام تک نہیں لیتے تھے آپؑ کو اصلاحِ حال کے سوا اور کچھ مطلوب نہ تھا چنانچہ ایک نہیں، کئی موقع پر یہ فرمایا

"مجھے یزید کے پاس دمشق بھیج دو۔ وہاں پہونچکر

بالمشافہ گفتگو ہو جائے گی۔"

مگر اس میں ان لوگوں کو اپنا نقصان نظر آرہا تھا جو یزید پرست تھے۔ ان میں سے ایک شمر بھی تھا۔ جو مصالحت کا سخت مخالف تھا۔ وہ ابن زیاد پر زور ڈال رہا تھا کہ جو کچھ ہونا ہے موقع ہے کہ اب ہو جائے، حسینؓ ایک مرتبہ پنجہ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہیں آسکتے اور معاملہ دوسری صورت اختیار کرلے گا۔ مدینہ میں مروان اور کوفہ میں شمر ایک ہی قماش کے تھے۔ چنانچہ شمر نے ابن زیاد سے عمر وسعد کے نام ایک خط حاصل کیا اور جلد سے جلد اپنے کو کربلا تک پہونچایا۔ خط کا مضمون یہ ہے۔

"میں نے تجھے (عمر وسعد کو) اس لئے نہیں

بھیجا ہے کہ حسینؓ کو بچائے۔ سلامتی کی امیدیں دلائے،

میرے پاس سفارشیں بھیجے۔ دیکھ میرا یہ حکم آخری اور
قطعی ہے، حسینؓ اگر سر تسلیم خم کریں تو میرے پاس
بھیجدے ورنہ حملہ آور ہو، قتل کر، لاشہ کو پامال کر،
قتل کے بعد اُن کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے ضرور
روندی جائے، وہ اسی کے مستحق ہیں، کیونکہ باغی ہیں،
سرکش ہیں، جماعت سے نکل گئے ہیں، یاد رکھ ان کے
قتل میں کوئی نقصان نہیں۔ میں نے عہد کر لیا ہے
کہ اگر قتل کرونگا تو یہ سب ضرور کرونگا۔ سُن لے!
تو نے اگر میرے حکم کو پورا کیا تو انعام پائے گا،
اور اگر اس کی تعمیل نہیں کی تو اپنے کو معزول سمجھ
میں تیری جگہ پر شمر بالجوشن کو مقرر کرتا ہوں۔"

بات صاف ہوگئی، دل کی زبان پر آگئی۔ یہ عبارت آئینہ دار
ہے یزیدیوں کے خیالات کی۔ کیا ذلت کی شرطیں پیش کی جارہی
ہیں۔ پاؤں کے ٹھکرائے ہوئے اُس کو جس کو خدا نے ہمیشہ کی سربلندی
کے لئے پیدا کیا سر تسلیم خم کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں، بالفاظ دیگر
اس پر بھی قید کرلو اور پا بزنجیر کرکے بھیجدو کا حکم ہے۔
ورنہ بہ شکلِ دیگر تو پھر وہ سب کچھ کر گزرو جو اپنے حیطۂ امکان
میں ہے۔ کیونکہ ان کے خیالِ فاسد میں حضرت امامؑ باغی ہیں اور
باغی کی یہی سزا ہے اور بزعمِ خود یہ حق پر ہیں۔ اس کا فیصلہ قیامت
کے دن جو کچھ ہوگا اور اس کی سزا جو اُس دن ملے گی اس کا تو کوئی
ٹھکانہ نہیں۔ لیکن آج دنیا میں جو لعنت کی بوچھار ہو رہی ہے
وہی کیا کم ہے۔ اور کیا اُسی مقام اسی محل میں جہاں — زیاد کا

بیٹا آج کوس لمن الملک بجا رہا ہے اس کا سر مختار کے سامنے کاٹ کر نہیں لایا گیا۔ سچ ہے ظالم وقت پر نہیں چنیتا۔

مارا بجفا کشتہ پشیماں شدہ باشی!

خون دل ما ریختہ حیراں شدہ باشی!

نقطۂ نظر بدل جائے تو سب کچھ بدل جاتا ہے' فرعون اور فرعونیوں نے بھی تو حضرت موسیٰ کے متعلق یہی کہا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی

قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے

وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ

رکھے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور تجھے اور تیرے بتوں کو نظر انداز کر دیں

اور کیا اسی پر بس کیا تھا۔ یہ بھی تو کہا تھا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِىْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ

فرعون نے اپنے ارکانِ دولت سے کہا، کہ تم مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰؑ کو مار ڈالوں

اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ

اور وہ اپنے رب کو بلائے۔ مجھے اس سے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو خراب کردے اور ملک میں فساد برپا کردے

انھوں نے یہ الزام بھی لگایا تھا يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ اس نے تو حضرت موسیٰؑ کو کافر بھی کہا تھا وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ وہ تو اس سے بھی آگے بڑھ کر خدائے موسیٰؑ کی شان میں بولا تھا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَبْلُغُ

فرعون نے ہامان سے کہا، میرے واسطے ایک محل (مینار) تیار کر تاکہ میں آسمان کے راستوں پر پہنچوں

الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا

اور وہاں سے موسیٰؑ کے خدا کو دیکھوں۔ کیونکہ میں اُس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کے لئے یہ حکم صادر ہوا تھا۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ

فرعون نے جادو گروں (ایمان لانے والوں) سے کہا میں تمہارے مخالف ہاتھ پاؤں کاٹونگا

فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى

اور تم کو کھجور کے درخت پر سولی دونگا پھر تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ ہم میں سے کون سخت عذاب میں ہے

مگر ادھر سے اس کا کیا جواب تھا۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا

انھوں نے کہا بہرحال ہم تجھے اس چیز کے مقابلہ میں قبول نہیں کرسکتے جس کی دلیل ہم کو پہونچ چکی

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۚ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

.... تو جو حکم تجکو کرنا ہے کر گذر اور دنیا کی زندگی کے سوا تو کر بھی کیا سکتا ہے

اور ایک حضرت موسیٰؑ ہی پر کیا موقوف، جملہ انبیاء و مرسلین کے

متعلق یہی رائے قائم کی گئی اور مخالفین نے اپنے مقدمہ کو نہیں

غلط اور کمزور دلائل سے مضبوط کرنا چاہا اور اپنے اپنے بچاؤ کے لئے اسی کو ڈھال قرار دیا۔

حق پرستوں سے قید و بند کی کڑیاں اسی لئے جھلوائی جاتی ہیں، ان کو تختۂ دار پر اسی لئے چڑھایا جاتا ہے قتل کی نوبت اسی لئے آتی ہے اور اسی پردے میں آتی ہے۔ غضب کیا ہوا خزانہ، اختیار، سلطنت اور عہدہ چھوڑتے افسوس ہوتا ہے، جان نکلتی ہے اور لوگوں کو دکھلایا جاتا ہے کہ جو کچھ کیا جارہا ہے، امن کے لئے کیا جارہا ہے، فساد کو روکنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ آباو اجداد کی روایات کو قائم رکھنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ الغرض یہ خدا کے باغی خدا سے صلح کرنے والوں کو اپنا باغی قرار نہ دیں تو اور کریں کیا۔

عمرو سعد نے اس فرمان کو دیکھ کر کہہ دیا تھا۔

"خدا کی قسم! حسینؑ ہرگز اپنے کو حوالہ نہیں کریں گے

ان کے پہلو میں بڑا خوددار اور غیور دل ہے۔"

مگر اس سے کیا ہوتا تھا رے اور طبرستان کے وعدوں کی دو

بوجھل بیڑیاں اس کے پاؤں میں پڑ چکی تھیں جو اترتی نہ تھیں۔

شمر کے رشتہ دار لڑکے

شمر کو معلوم تھا کہ اس کے رشتہ کے لڑکے حضرت امام کے رفقا

میں شامل ہیں اس لئے ابن زیاد سے اُن کے لئے امان لیکر آیا تھا پہلے

تو ان کو دوسرے کے ذریعہ سے ورغلا کر اور توڑ کر جدا کرنا چاہا لیکن

جب اس سے کام نہیں چلا تو خود ہی قریب آیا اور پکار کر کہا

"ہماری بہن کے لڑکے کہاں ہیں؟"

یہ گنتی میں چار لڑکے تھے جو سامنے آکر بولے۔ کہہ کیا کہتا ہے۔

شمر۔ تمہارے لئے میں نے امن و سلامتی کا سامان کر لیا ہے

لڑکے۔ تیری امان پر لعنت، ہمیں امان دیتا ہے، لیکن

فرزندِ رسول اللہؐ کے لئے امان نہیں ہے۔

شمر اپنا سامنہ لیکر واپس ہو گیا۔

یہ حضرت امامؑ کی صحبت کا اثر تھا۔ سچ ہے پارس پتھر سے

لوہا بھی چھو جائے تو سونا ہو جاتا ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم!

ایک کے لئے اکیس ہزار

میدانِ کربلا کے لئے یزیدی فوج کی صحیح تعداد میں اختلاف ہے

لیکن بعض نے ۲۱ ہزار بھی لکھا ہے یہ اکیس ہزار کا اجتماعِ عظیم صرف ایک جان کے لئے تھا۔ یا زیادہ سے زیادہ ۷۲ نفوس کے لئے۔

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتُعَدّ!

دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد!

مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ٹڈی دل فوج بلا وجہ جمع کی گئی تھی، یہاں سے بھی یزیدی حکومت کی قلعی کھلتی ہے۔ یزیدیوں کو معلوم تھا کہ عام طور پر مسلمان نہ دستِ بیع ہوئے ہیں اور نہ ان کے دل یزید کے ساتھ ہیں۔ برعکس اس کے حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں، کہ قلوب ان کی طرف جھکے ہوئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے، کسی طرف سے کمک پہونچ جائے اور واقعی جنگ، دو سر دارد کا مقولہ پیش آجائے۔

طرفہ یہ ہے کہ مکّہ اور مدینہ تو ایک طرف کوفہ سے بھی دور رکھا جاتا ہے۔ جہاں کے لوگ خیر سے کبھی بھی باوفا ثابت نہیں ہوئے تھے۔ کیا دنیا اب بھی اس کو جنگ کہے گی، مقابلہ کی جنگ، اور یزید کی فتح سے تعبیر کرے گی۔

صاف ظاہر ہے کہ جو مہم درپیش ہے، جو مقصد سامنے ہے اس کے حصول کے لئے استقلال و ارادہ میں پختگی ہے۔ شدید ترین اور اب آخری مصائب بھی حضرت امام کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ اب بھی یزیدی حکومت کے نقائص علی الاعلان بیان کئے جا رہے ہیں۔ اخلاقی جرأت کا یہ عالم ہے کہ خموشی اور صبر و سکون کے ساتھ خدا کی مرضی پر سر تسلیم خم ہے لیکن یزید کے مطالبۂ بیعت پر دل نہیں جھکتا۔ اور یہ ہٹ دھرمی نہیں۔ بلکہ حق پر ثابت قدمی ہے۔ جو صرف خاصان خدا کا حصّہ ہے۔

شمر کے آجانے سے عمروسعد کی فوج میں ایک خاص ہلچل تھی۔ اب جلد از جلد جنگ کا فیصلہ مقصود تھا۔ جس میں وہ خوف بھی شریک تھا۔ جس کا اوپر بیان ہوا ہے۔

محرم کی نویں تاریخ اور شام کا وقت تھا کہ یزیدی فوج پہلی مرتبہ حرکت میں آئی۔ حضرت عباسؑ علمدار نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دشمن اب اپنا منصوبہ پورا کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام نے سنا تو ایک شب کی مہلت یہ کہکر طلب کی کہ آج شبِ عاشورہ ہے ہم آج کی رات طاعتِ الہٰی میں گذارنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ ہونا ہے کل ہو جائے گا۔

فہم قرآن کا اظہار

یزیدی فوج اُدھر واپس ہوئی اور ادھر مغرب کی اذان ہوئی مؤذن نے جس وقت اشھد ان لآ الٰہ الّا اللہ محمد الرسول اللہ کہا تو دشتِ کربلا میں عجیب سماں چھا گیا اور قلوب کی عجیب کیفیت ہوگئی۔ فریضہ نماز کی ادائیگی کے بعد حضرت امامؑ نے چھوٹے بڑے سب کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی۔

خدایا! تیری حمد و ثنا کرتا ہوں، ہر حال میں شکر گزار ہوں تونے ہمارے گھر کو نبوّت سے شرف بخشا، ہمیں فہمِ قرآن سے نوازا۔ دین کی سمجھ عطا کی۔ اور عبرت حاصل کرنے کے لئے آنکھیں دیں، کان دئے اور دل مرحمت فرمایا۔

اما بعد! میرے رفیقو! مجھے نہیں معلوم کہ آج روئے زمین پر مجھ سے افضل کوئی شخص موجود ہو۔ یا میرے ساتھیوں سے زیادہ ہمدرد و غمگسار کسی اور کے ساتھی ہوں۔

لوگو! میں سمجھتا ہوں کہ کل میرے اور دشمن کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ تم نے حقِ رفاقت ادا کر دیا۔ اب غور و فکر کے بعد میری یہ رائے ہے کہ خموشی کے ساتھ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ دشمن صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ تم سے ان کو کوئی پرخاش نہیں۔ اس لئے تم سے بازپرس بھی نہیں کریں گے اور نہ تمہاری طرف متوجہ ہوں گے۔

افسوس! یہ لوگ ہم اہلبیت سے واقف نہیں ان کا

مطالبہ ہے کہ میں ذلت قبول کروں یا تلوار اُٹھاؤں۔ ہمارے
حق میں یہ بات اللہ اور اللہ کے رسول کو پسند نہیں۔ ہم
جن گودوں میں پلے ہیں وہ ذلت سے ناآشنا ہیں، ہم جن
گہواروں میں کھیلے ہیں وہ اس سے دور ہیں، ہم ذلت
قبول نہیں کر سکتے، ہمارے سر جھک نہیں سکتے، ہمارے
شریف دل بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔ واللہ ذلت
و بے آبروئی سے پہلے میں تلوار کو د۔مہان لاؤں گا اس
تلوار کو جو شانوں سے، زمین پر ہاتھ پاؤں کے ڈھیر لگا دیگی۔"
اللہ اللہ کیا لاجواب، کیسی شاندار اور کس اعلیٰ پایہ کے خیالات
وجذبات سے لبریز تقریر ہے، عزم وثبات کا کیسا کوہ وقار اظہار
ہے، ایمان وعقیدے کی کتنی بے مثال نظیر ہے۔ صبر واستقامت

اور صاحبِ عزیمت ہونے کا کتنا نادر ثبوت ہے۔ دین کی لاج یوں رکھی جاتی ہے۔ خودداری اور عزتِ نفس کا پاس اس طرح کیا جاتا ہے۔ سلف کی روایات کو یوں دہرایا جاتا ہے۔ آنے والی نسلوں اور قوموں کی حق رسی اور زندگی کے حصول کا سامان یوں فراہم کیا جاتا ہے۔

حضرت امامؒ نے فہمِ قرآن کا اِدّعا فرمایا ہے، کیا اس کی ضرورت تھی؟ کیا اس میں کسی کو شک ہو سکتا ہے؟ "قرآنیوں" پر تو یہ امر شاق ہے کہ آپؒ کو ایسا کہنا پڑا۔"

آپؒ کی ذاتِ مبارک سے تو صادق المصدوقؐ کے اس ارشادِ مبارک کی تکمیل ہوئی ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی

بخدا جسے قرآن سے کوئی بہرہ نصیب ہوتا ہے وہ یہی کہتا ہے اور وہ یہی کرتا ہے۔ اس کے قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے۔

حضرت امامؑ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی مجسّم تفسیر تھے اس لئے ان سے اسی کی امید تھی۔

ایں خانہ تمام آفتاب است!

حضرت امام عالیمقام نے اپنی تقریر ختم فرمائی اور اپنے مرتبہ کی باتیں جب کہہ چکے تو جواباً آپؑ کے رفقا کی باری آئی۔ سب سے پہلے آپ کے برادر حضرت عباسؓ نے کہا

"یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپؑ کے بعد زندہ رہیں خدا ہمیں اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے۔"

حضرت مسلم کے رشتہ داروں نے کہا۔

"نہیں، واللہ، ایسا ہرگز نہ ہوگا، ہم تو آپ پر سب کچھ

قربان کردیں گے۔ آپؐ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپؐ پر

گزرے گی، ہم پر بھی گزرے گی۔"

رفقا میں سے ایک نے صدا دی۔

"واللہ، نہیں، ہرگز نہیں، میں اپنا نیزہ دشمنوں کے

سینوں میں توڑ دونگا۔ تلوار کا قبضہ جب تک ہاتھ میں رہیگا،

تلوار چلاؤں گا، نہتا ہو جاؤں گا تو پتھروں سے ماروں گا۔

تا آنکہ موت آجائے۔"

دوسرے کی آواز بلند ہوئی۔

"بخدا ہم آپؐ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک

خدا اور اس کے رسولؐ کے حق کی حفاظت کا حق ادا نہ ہو جائے۔

قسم بخدا! اگر میں یہ جان لوں کہ قتل کیا جاؤں گا،

پھر آگ میں جلایا جاؤں گا' پھر میری خاک ہوا میں منتشر

کی جائے گی اور ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ میرے ساتھ

یہی سلوک کیا جائے گا۔ تب بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا"

ایک اور رفیق نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

"خدا کی قسم! میں ایک ہزار دفعہ بھی آرے سے

چیرا جاؤں پھر بھی آپؑ کی رفاقت سے منہ نہ موڑوں گا"

آخیر میں سب ایک زبان ہو کر بولے

"بخدا اے لایزال' ہم آپؑ سے جدا نہیں ہو سکتے'

ہماری جانیں آپؑ پر قربان' ہم اپنے ہاتھوں' اپنے سینوں'

اور اپنی پیشانیوں سے آپؑ کی مدافعت کریں گے۔ قتل

ہو گئے تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے"

مستورات

مردوں اور بچوں کے ایمان اور ان کی بہادری کا یہ عالم تھا جو بیان ہوا لیکن مستورات جو ضعیف الاعتقاد مشہور ہیں۔ ان کی خوش خوبیاں اس سے کچھ کم نہ تھیں۔ اپنی اپنی جگہ پر ان کا حقِ رفاقت ادا کرنا، سب کچھ دیکھنا، اور صبر و شکر سے کام لینا ہماری مستورات کی سیرت کو سنوارنے کے لئے نمونہ کا کام کرتا ہے۔ اُمّتِ مرحومہ کی ہر ماں اور ہر بہو بیٹیوں کے لباسِ رعنائی اور زیورِ خوشنمائی میں اضافہ کا باعث ہے۔

حضرت زینبؓ خواہرِ حضرت امام عالیمقام کو اپنے بھائی سے شدید محبّت تھی۔ یہ اپنے بھائی کی مصیبتوں سے بہت زیادہ متاثّر تھیں۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے متعلق سنئیے۔

"جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں

میں (بیمار پڑا) تھا اور میری پھوپی زینبؓ تیمارداری کر رہی

تھیں۔ اتنے میں میرے والد خیمے میں تشریف لائے

آپؑ کی زبان پر اس وقت جو اشعار جاری تھے اس سے

آپؑ کا ارادہ معلوم کرکے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے

چونکہ حضرت امام علیہ السلام بھی ان کا خاص خیال فرماتے تھے۔

ان کی دلجوئی کے لئے قریب آئے اور اس موقع پر بھائی نے بہن کو

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلُ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ کا جو وعظ سنایا

ہے وہ بھی اس لائق ہے کہ صنفِ نازک کا آویزۂ گوش ہے۔

بہن! خدا کو یاد کرو، اس کے ذکر سے اطمینان

حاصل کرو۔ زمین والے ہوں خواہ آسمان والے سب

مریں گے۔ خالق باقی رہے گا، مخلوق ساری فنا کا جام

پڑے گی، اس لئے موت کے خیال سے رنج و بے قراری

عبث ہے۔ دیکھو مجھ سے میرا باپ افضل تھا، میری

ماں کا مرتبہ بلند تھا، میرا بھائی بزرگ تھا، یہ سب چل بسے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

پس! ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ کی مبارک

ذات میں نمونہ ہے۔

بہن! مجھ سے عہد کرو، میرے مرنے پر گریباں

چاک نہیں کرو گی۔ میرے غم میں اپنے کو ہلاک نہیں

کرو گی، اپنی موت کے لئے دعائیں نہیں مانگو گی۔

اللہ والے بھائی نے جس دل سے نصیحت کی تھی اللہ والی بہن نے اسی گوشِ دل

سے اسکو سنا اور کربلا جیسے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور صابرہ و شاکرہ بنی بیٹھی رہیں

خیمۂ حسینؑ میں کیا ہو رہا تھا

خیمۂ حسینؑ میں عام طور پر بجائے بددلی، خوف و ہراس، حُزن و ملال اور نالہ و فریاد کے ایک روحانی مسرت چھائی ہوئی تھی۔ فرات اپنی روانی کو لیے بیٹھا رہا تو کیا یہاں ہر متنفس کے دلوں میں وہ لہریں اور وہ موجیں شوقِ شہادت میں تڑپ رہی تھیں جن پر تمام دنیا کے دریا، ان کی لہریں اور ان کی موجیں نثار ہوں۔

خیمۂ حسین علیہ السلام میں طاعتِ الٰہی کے سوا اگر کچھ ہو رہا تھا تو وہ بھی یزیدی فوج سے مقابلہ کی تیاری تھی اور یہ بھی طاعتِ الٰہی سے کیا کم تھی۔

ہر کہ با خلاص قدم مے زند عیسیِ وقت است کہ دم مے زند

حضرت زین العابدین بن حضرت امام حسین علیہ السّلام فرماتے ہیں۔

"جس رات کی صبح کو میرے والد شہید ہوئے

ہیں۔ خیمے میں ابو ذر غفاریؓ کا غلام حُویؑ بیٹھا تلوار صاف

کر رہا تھا۔"

وقت پر ہوش و حواس کا قائم رہنا ہی تو جو انمردی اور بہادری ہے۔ جو خیمۂ حسینؑ میں گھر کئے ہوئے تھی۔ اس لئے ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول نظر آرہا تھا۔ عجز و الحال میں، گریہ و زاری میں، راز و نیاز میں اور معلوم نہیں کن کن طرح کی عبادات میں گزری خدا کے اس خاص بندے نے، خاص انداز میں خاص الفاظ میں معلوم نہیں کیا کیا پیش کیا اور مالکِ حقیقی نے کن کن اداؤں سے قبول کیا۔ کیا کیا انعامات عطا ہوئے

اور کیسے کیسے درجات بلند کئے گئے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست!

کراماً کاتبیں راہم خبر نیست!

بالیقیں یہ ایک رات بڑے سے بڑے عبادت گذاروں کی ہزار راتوں سے بھی مرتبہ میں بلند تھی حُسینیوں کے خیمہ پر براہ راست انوارِ رحمتِ الٰہی کی بارش ہو رہی تھی خواہ فرات کے پانی سے کیتنی ہی دوری رہی۔

آپؑ اور آپؑ کے رفقا نے اس رات کو عجیب ذوق و شوق اور تواجد میں گزارا جس سے کربلا کی ریحصۂ زمین قابلِ صد احترام بن گئی۔

یوں تو جو بھی تھا تتجافیٰ جنوبھم لن کر اللہ کی مکمل تفسیر تھا لیکن بالخصوص امامِ دوراں اپنے مرتبہ کے لحاظ سے بہت آگے بڑھے ہوے تھے آپؑ بلند آواز سے یہ آیت پڑھتے سنے گئے۔

لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَهُمْ

کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے ان کو بھلائی کے لئے ڈھیل دی ہے نہیں بلکہ ان کو ہم نے ڈھیل دی ہے تاکہ گناہ میں اضافہ ہو جائے اور یہ تو

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

ہے ہی کہ اُن کے لئے اہانت والا عذاب ہے ○ اللہ مومن بندوں کو اس حال پر نہیں چھوڑ دیگا تاآنکہ خبیث اور طیب میں امتیاز ہو جائے

سپیدۂ صبح نمودار ہوا، نمازِ فجر قدسی صفات مقتدیوں نے

امامِ زماں کے پیچھے ادا کی۔

حضرت امامؑ نے اس وقت ایک خواب دیکھا تھا کہ نانا جان

تشریف لائے ہیں جو فرما رہے تھے کہ

"اے حسین میں چاہتا ہوں کہ آج شام تو میرے ساتھ روزہ افطار کرے۔ اولیاء

اللہ اور انبیاء و صدیقین کی روحیں تیرے استقبال کی تیاری میں ہیں۔

جنت تیرے لئے سنواری گئی ہے۔ حوریں تیرے خوش آمدید کے گیت گا رہی ہیں۔"

جس نے آپؑ کا یہ خواب سُنا اس کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو نکل پڑے۔

مرنے کی آرزو

یہ صبح اس رات کی صبح تھی جو عجیب انتظار میں اس طرح گذاری گئی تھی

جس طرح اللہ کے نام پر رمضان شریف کا روزہ رکھنے والے اللہ کے حکم سے کھانا پانی چھوڑنے والے شام میں عید کا چاند دیکھکر گزارتے ہیں اور عید کی صبح مناتے ہیں بلکہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے کی کچھ اس سے زیادہ مسرت اور شادمانی اِن کو تھی جو کوئی دنوں سے بھوکے اور پیاسے تھے۔

آج حضرت بریر بن حضیر ہمدانی بے حد مسرور نظر آرہے تھے کسی نے پوچھا اس مسرت کا سبب کیا ہے۔

جواب ملا

"ہم بہت جلد ایک ایسی سعادت سے دوچار ہونے والے ہیں جس کو کبھی زوال نہیں

جنت کے انعامات اور ہمارے درمیان بس اتنی ہی دوری

رہ گئی ہے کہ دشمن ہم پر تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔

آہ! میری کس قدر آرزو ہے کہ یہ لوگ جلد سے جلد مجھ پر آپڑیں

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا

یَوْمِ عَاشُورہ

۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری

وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ

دہر میں مسلم ہے حق کی آزمائش کے لئے!
تمغۂ ایماں نہیں ملتا نمائش کے لئے!

یومِ عاشورہ

صبح ہوئی، یزیدی فوج سے صدائے طبلِ جنگ بلند ہوئی، فوج کی کمانڈ عمر و سعد کے سپرد تھی، میمنہ پر عمرو بن حجاج اور میسرہ پر شمر ذوالجوشن مقرر تھے۔

حضرت امام علیہ السلام نے بھی اپنے لوگوں کو میمنہ اور میسرہ پر تقسیم کیا۔ زہیر بن قیس عربی میمنہ پر اور کعب بن مطہر میسرہ کو زینت دے رہے تھے۔ عَلَم حضرت عباسؓ کے سپرد تھا۔ یہ تعداد میں کل ۷۲ نفوس تھے جن میں سے ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے تھے۔

حسینیؓ کرامات

اہلِ خیمہ کی حفاظت کے لئے آپؑ نے خیمہ کے گرد خندق

کھدوائی تھی جس میں رات کے وقت آگ روشن کی تھی، ایک یزیدی

اس کی طرف اشارہ کرکے بولا

"حسینؑ مرنے سے پہلے ہی تم نے آگ قبول کرلی"

اتنے میں اُس کا گھوڑا بھڑکا اور مع سوار خندق کی آگ سے

دوچار ہوا اور پھر اس میں اس طرح الجھا کہ جل بھن کر خاک ہوگیا۔

انسان غم و غصہ میں سب کچھ بھول جاتا ہے مگر "تبلیغِ حق کا یہ

مجسمہ میدانِ کربلا میں" بھی اپنے اصلی فرائض کو فراموش نہیں کرتا یزیدی

فوج کے سامنے ایک مرتبہ اور اس طرح اتمامِ حجت کی جاتی ہے۔

"اگرچہ میں فخر نہیں کرتا لیکن اگر فخر کروں تو میرے

فخر کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں، جو

اولادِ ہاشم سے ہیں۔ میرے نانا، اللہ کے رسول ہیں،

جو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں۔"

"میری ماں فاطمہؓ ہیں جو رسول اللہ کی بیٹی ہیں۔"

"میرے چچا جعفرؓ ہیں، جن کا لقب ذو الجناحین تھا۔"

"اللہ کی سچی کتاب میرے گھر میں اُتری۔"

"مخلوقات میں ہم اللہ کی امانت ہیں۔"

"حق کے معاملہ میں ہم بادشاہِ وقت سے بھی نہیں

ڈرتے اور جس راستے پر ہم چلتے ہیں، اس پر چلنے والے

سب میں بہتر ہیں اور اس کے خلاف کرنے والے قیامت

کے دن خسارے میں رہیں گے۔

ان لاجواب باتوں کا جواب ہی کیا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا جہادِ

فی سبیل اللہ کے لئے اللہ والوں کو کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْص کرکے

ایک مرتبہ پھر آپؑ خیمہ میں واپس آئے۔ رسولِ خدا صلعم کا عمامہ سر پر رکھا، حضرتِ علیؑ کے پٹکہ سے کمر کو زینت بخشی ذوالفقارِ حیدری گردن میں حمائل کی اور سواری کے سامنے قرآن مجید رکھا۔

اے شانِ حیدری زجبین تو آشکارا

نامِ تو ور نبرد کند کارِ ذوالفقار را

اس موقع پر اُن تبرکات کو بھی یاد کر لینا چاہیے جس کی شان میں بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ آیا ہے۔

حضرت امامؑ کے ساتھ اُن خطوط کا پلندہ بھی تھا جو کوفہ والوں نے آپؑ کی طلبی میں لکھے تھے اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو سامنے یزیدی فوج میں نظر آرہے تھے۔ اس موقع پر پھر آپؑ نے نصیحت آمیز تقریر فرمائی اور ان خطوط کا بھی حوالہ دیا۔ لیکن ان لوگوں نے بہرے

سے انکار کر دیا کہ یہ خطوط ان کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپؑ نے فرمایا۔

"الحمد للہ! تم لوگوں پر حجت تمام ہوئی"

عمر و سعد آگے بڑھ کر بولا

"اے حسینؑ! اب یہ ساری باتیں بیکار ہیں، یا تو

یزید کی بیعت قبول کرو یا لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

دشمن کی فوج کو حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھتے دیکھ کر آپؑ نے

دعا کے لئے ہاتھ اُٹھایا۔

"خدایا! ہر مصیبت میں میرا تجھی پر بھروسہ ہے

اور ہر مشکل میں تو ہی میرا سہارا ہے۔"

خدا پرستی اس کا نام ہے، شانِ عبودیت اس کو کہتے ہیں، خدا ہی کے لئے

سب کچھ کیا جا رہا ہے پھر بھی کوئی فخر نہیں، بلکہ بات بات سے نیازمندی کا اظہار ہے

راہِ خدا میں جاں نثاریوں کا سلسلہ

جب حق و باطل کے فیصلہ کا وقت آ ہی گیا تو حضرت امام سے اجازت طلب کر کے وہ لوگ جو "بِرا بیّیُوْنَ" کی مصداق تھے ایک ایک کر کے عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق مبارز طلب کرنے والوں کے مقابلے میں آنے لگے۔ حضرت امامؑ کے رفقا میں سے حضرت زہیر نے حق و صداقت سے بھری ہوئی ایک تقریر کی جس سے دل ہل گئے شمر بن ذالجوشن برداشت نہ کر سکا اس نے ان کی طرف ایک تیر پھینکا اور کہا۔

"چپ" خدا تجھے مارے' اپنی بکواس
سے تو نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔"

زہیرؓ نے کہا۔

"میں تجھ سے نہیں بولتا، تو ایک جانور ہے، خدا کی

قسم کتاب اللہ کی دو آیتیں بھی تجھے اچھی طرح نہیں معلوم

شمر - خدا تجھے اور تیرے ساتھ والوں کو ابھی قتل کرنے والا ہے۔

زہیر - کیا تو ہمیں موت سے ڈراتا ہے! واللہ تم جیسوں کے

ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے پر میں موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

پیچھے سے ایک آواز آئی۔ زہیر واپس چلے آؤ، موسیٰ نے فرعونیوں کو

جتنی نصیحت کی تھی، تم بھی کر چکے۔ حجت پوری ہو گئی۔

قاسم سخن کوتاہ کن برخیز عزم راہ کن! شکر بر طوطی فگن مُردار بپیش کرگساں!

حُر بن یزید ریاحی

اس نوبت پر حُر جو ابھی یزیدی فوج کے ایک افسر تھے اپنے

گھوڑے کو چمکا کر آگے بڑھے اور عمر وسعد سے بولے!

کیا تو حضرت امام حسینؑ سے ضرور لڑے گا۔

عمرِ سعد نے جواب دیا۔ بے شک۔ یہی ہو گا۔ تو کس فکر میں ہے؛

حُرؔ۔ بخدا میں جنّت اور دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں اور

سُن لے کہ جنّت منتخب کر لی ہے، خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے

یا زندہ جلا دیا جائے۔ تو بتا کل کے دن خدا کو کیا جواب دے گا۔

یہ کہا اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے حضرت امام کے قدموں پر

آگرے اور اپنی خطاؤں کی بالحاح معافی کے خواستگار ہوئے یہاں

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کی پہلے سے صدا بلند تھی یہ جنگ میں

پہونچے تو لڑتے لڑتے گھوڑا زخمی ہو گیا۔ اس پر بولے۔

"اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کر دیا تو کیا ہوا میں شریف

کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں"

"میں سب سے اچھے آدمی کی حمایت میں دشمنوں کے ٹکڑے اُڑا دوں گا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قتل نہ کرلوں گا قتل نہ ہوں گا' اور مروں گا تو اس حال میں کہ آگے بڑھ رہا ہوں گا۔ دشمن کو تلوار کی کاری ضرب سے ماروں گا' نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا۔

عبداللہ بن عمیر کلبی

یہ راہِ خدا میں کفار و مشرکین سے جہاد کرنے کے بے حد خواہشمند تھے۔ جب کوفہ میں حضرت امامؑ کے خلاف فوج کی تیاری اور روانگی دیکھی تو کہنے لگے۔

"بخدا! میں کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد کی فکر میں تھا مجھے یقین ہے کہ ان مسلمانوں سے لڑنا زیادہ

ثواب کا موجب ہوگا۔ جو اپنے نبیؐ کے نواسہ سے لڑنے جارہے ہیں۔

عجیب خوش نصیب تھے کہ بیوی بھی اسی پائے کی ملی تھی چنانچہ اس نے سنا تو ساتھ ہولی اور رات میں چھپکر دونوں "حسینی فوج" میں آملے۔ عبداللہ بن عمیر کلبی جس وقت یزیدی فوج سے لڑنے لگے ہیں تو ان کے طرز و انداز عجیب تھے، لڑنے کا عجیب ذوق پایا جارہا تھا۔ ایک ہی حملہ میں ابن زیاد کے دو غلاموں کا سرتن سے جدا کر دیا۔ ان کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔

"ایسی مار مارو ں جیسی کوئی مومن نوجوان مار سکتا ہے"۔

لڑتے لڑتے سستانے کے واسطے واپس ہونے لگے تو اُمِّ وہب ان کی بیوی جو دروازے پر لاٹھی لئے کھڑی تھیں، دوڑ پڑیں،

اور شوہر کو دشمن کی طرف لوٹانے لگیں، لاٹھی سے ڈھکیلتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں۔

"میں قربان! آلِ محمدؐ کی طرف سے لڑے جا"

مگر عمیر ابھی واپس جانا نہیں چاہتے تھے، یہ دیکھ کر اُمِّ وہب نے ان کا دامن پکڑ لیا اور میدان کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ وہ جوش میں چلا رہی تھیں

"واللہ! نہیں چھوڑوں گی، میں بھی جان دوں گی"

حضرت امامؑ نے پکار کر کہا

"بی بی! خیمہ میں آجاؤ خدا تمہیں جزائے خیر دے عورتوں کے ذمہ جہاد نہیں ہے۔

ناموسِ شریعت کے پاس کی انتہا اور سنجیدگی و متانت کی حد ہوگئی۔

حسینیؑ کرامات

یزیدی فوج کے ایک شخص ابن جوزہ نے کہا۔ اے حسینؑ مجھ سے دوزخ کی بشارت سُن لو! حضرت امامؑ بولے تو جھوٹا ہے بلکہ میں رؤف ورحیم (خدا) کے پاس جارہا ہوں۔ یہ سُن کر وہ چاہتا تھا کہ آپؑ پر حملہ آور ہو کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور ایک گڈھے میں گر پڑا۔ ابن جوزہ کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور سر زمین پر آرہا۔ گھوڑا اُسے لیکر بھاگا اور ٹکڑوں سے سر پاش پاش ہو گیا۔

بریرؓ بن حضیرؓ

ان کو خدمتِ قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ یزیدی سپاہ میں ایسے بھی تھے جنھوں نے ان سے قرآن پڑھا تھا۔ پہلے تو انھوں نے یزیدی فوج کے ایک شخص یزید بن معقل سے مباہلہ کیا!

دونوں نے میدان میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی

" خدایا ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر تیری لعنت ہو

اور حق والا باطل والے کو مار ڈالے "

اس کے بعد ایک نے دوسرے پر حملہ کیا۔ بریر نے ایسی تلوار

ماری کہ یزید کے خود کو کاٹتی ہوئی دماغ تک اُتر گئی۔

مگر کعب بن جابر ازدی ان پر حملہ آور ہونے کے لئے لپکا۔

راوی کہتا ہے میں چلایا۔ اے کعب کیا کرتا ہے یہ بریر بن حضیر

ہیں جو ہمیں مسجد میں قرآن پڑھایا کرتے تھے۔

لیکن کعب ان کو شہید کر چکا تھا۔ جب گھر آیا تو اس کی

بیوی بہت خفا ہوئی۔ اور کہنے لگی۔

" فرزندِ فاطمہؑ کے ساتھ تو لڑا۔ سید القراء بریرؓ کو

تو نے قتل کیا۔ واللہ زندگی بھر تجھ سے

بات نہیں کروں گی۔"

مسلمؓ بن عوسجہ

حسینی فوج کے ایک بہادر حضرت مسلم بن عوسجہ

داد شجاعت دیتے دیتے شہید ہوئے تو حضرت امام نے فرمایا۔

مسلم تجھ پر خدا کی رحمت

مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ

يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

ترجمہ:۔ ان میں سے کچھ مر چکے، کچھ موت کے منتظر

ہیں۔ اور انہوں نے اپنے مسلک میں کوئی

تبدیلی نہیں کی۔

یہی نہیں بلکہ حضرت امامؑ ان کے قریب آئے
اور اپنے زانو پر ان کا سر رکھ کر ہاتھ سے بال صاف کرتے رہے

بہ چہ ناز رفتہ باشد زِ جہاں نیاز مندے
کہ بوقتِ جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی!

حبیبؓ بن مظاہر کا دل بھر آیا۔ مسلم کے پاس آئے اور کہا
"مسلم اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ میں بھی فوراً
تمہارے پیچھے آ رہا ہوں تو تم سے کچھ وصیّت
چاہتا اور اس کو دل و جان سے پورا کرتا۔ کیونکہ
تم اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر ہر طرح اس کے مستحق ہو۔
مسلم نے حضرت امام کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔
"میری وصیت یہ ہے کہ اس شخص پر قربان ہو جاؤ۔"

حبیبؓ بن مظاہر کے رَجَز

جب حبیبؓ بن مظاہر حملہ آور ہوئے ہیں تو ان کی زبان پر یہ رَجَز جاری تھا۔

میں ہوں حبیبؓ اور میرا باپ مظاہر تھا۔
میں مردِ میدان ہوں جب کہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں
تمہاری تعداد اور ساز و سامان زیادہ ہے،
لیکن ہم تم سے زیادہ باوفا اور ثابت قدم ہیں۔
ہم راہِ راست پر ہیں۔
ہمارا حق پر ہونا صاف ظاہر ہے۔
ہم تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تمہارے برابر یا آدھے بھی

ہوتے تو تم ضرور بھاگ جاتے۔

زہیرؓ بن القین

ان کی شان یہ تھی کہ آتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ زبان پر

ایسے شعر جاری تھے جن کا یہ مطلب تھا۔

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں، اپنی زندگی میں دشمن کو

حسینؑ کے نزدیک نہیں آنے دونگا۔ اپنی تلوار کی

نوک سے ان کو دور کر دوں گا۔

عابسؓ بن ابی شبیبؓ

انہوں نے پہلے اپنے غلام شوذب کو خدا کی راہ میں نثار

کیا پھر خود آگے بڑھے اور حضرت امامؑ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے ابو عبداللہ! خدا کی قسم اس وقت روئے

زمین پر کوئی نہیں جو آپؑ سے زیادہ مجھے عزیز اور محبوب ہو۔

بخدا! اگر اپنی جان سے زیادہ کوئی عزیز چیز مجھے

دستیاب ہوتی تو میں اُسے بھی آپؑ پر سے قربان کر دیتا۔

اے ابو عبداللہ! آپؑ پر سلام۔

خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آپؑ کی اور آپؑ کے

والد کی روش پر قائم ہوں۔"

اس کے بعد یزیدیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص نے پہچان لیا اور بولا!

دیکھو یہ شیروں کا شیر ببر ہے' دیکھو ابن ابی شبیب کے

سامنے کوئی نہ جائے۔

دو سو کا دستہ اس ایک کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا۔

حنظلہؓ بن اسعد

قرآن کے دلدادگان میں سے تھے‘ یزیدیوں کو عاد وثمود کے

عذاب کی مثال دیکر ڈرا رہے تھے کہ

حضرت امامؑ نے پکار کر کہا۔ اے ابن اسعد یہ لوگ تیرے

صالح بھائیوں کا بیبا کانہ خون بہا چکے۔ اب یہ تیری دعوت کیا قبول کریں گے۔

ابن اسعد۔ میں آپ پر قربان۔ بے شک آپؑ مجھ سے زیادہ

تفقہ کے مالک ہیں۔ کیا اجازت ہے کہ ہم بھی آخرت کا سفر اختیار کریں

اور اپنے بھائیوں سے جا ملیں۔

حضرت امامؑ نے جواب دیا۔

”ہاں! اس مقام کو روانہ ہو جاؤ‘ جو دنیا وما فیہا

سے بہتر ہے‘ اس بادشاہت میں داخل ہو جاؤ جس کو کبھی زوال نہیں۔

ابن سعدؓ۔

"ابو عبداللہ! اسلام علیک۔ خدا کا آپؐ پر اور آپؐ کے اہلِ بیت پر درود ہو۔ اللہ جنت میں ہماری آپؐ کی ملاقات کرائے"۔

حضرت امام! آمین! آمین۔

پھر وہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

خاندانِ نبوّت کی جاں نثاریاں

حسینیؓ نبرد آزماؤں میں اب خاندانِ نبوت کی باری آئی حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ نے اجازت طلب کی اور کہا۔

"یا امام سب سے پہلے خدا کی راہ میں جس نے

جان نثار کی وہ میرا باپ تھا۔ اب جو لوگ باقی رہ گئے ہیں

ان میں سب سے پہلے مجھے نثار ہونے کی تمنا ہے۔

خدا کے واسطے مجھے اجازت دیجئے اور منع نہ کیجئے۔

اس کے بعد فرزندان حضرت جعفر طیار عونؔ و محمدؔ نے بھی اپنے اپنے جوش ایمانی اور عقیدت کا ثبوت دیا پھر حضرت عبداللہ بن حسنؓ اور قاسم بن حسنؓ خواہرزادگان امامؑ عالیمقام نے اپنا حق ادا کیا۔

حضرت عباسؑ علمدار یزیدیوں کے سامنے آئے تو ایک مرتبہ پھر ان کو ظلم وستم سے باز آنے کی تلقین کی۔ عمرؔ و سعد کو مخاطب کر کے خصوصیت کے ساتھ حق کی طرف بازگشت کے لئے کہا۔ اور دو باتیں پیش کیں۔

۱۔ حضرت امامؑ لڑنا نہیں چاہتے اس لئے

کشت و خون سے باز آجا۔

۲۔ پانی کا بند کرنا کسی طرح روا نہیں کم سے

کم ایک مشک پانی لینے دے۔

عمرو سعد بولا۔ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ حسینؑ یزید کی بیعت

قبول کر لیں۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نہر فرات کیا

روئے زمین کا پانی بھی اگر ہمارے قبضہ میں ہو تو ایک قطرہ نہ دینگے۔

اس شکل میں یزید کا یہی حکم ہے۔

یزیدی نادان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی ظلم و زیادتی حضرت

امامؑ کو نیچا دیکھنے پر مجبور کر دے گی اور ان کی من مانی مراد پوری

ہو جائے گی لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ یہ اپنے باطل پر جمے رہیں اور

مرکزِ حق اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی اور

ضد تھی دوسری طرف ضد اور ہٹ دھرمی نہیں بلکہ صبر و استقلال تھا
اس لئے گویا حضرت عباسؓ کی زبان پر تھا۔ ع

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں!

حضرت عباسؓ وہاں سے آگے بڑھے اور پھر مشکیزہ لیکر
یزیدیوں کی صف کو توڑ کر فرات کے کنارے پہونچ گئے اور پانی
سے مشک کو بھر لیا۔ گھوڑے کی باگ موڑ چکے تھے کہ حملہ آور ٹوٹ
پڑے نوفل بن ارزق کی تلوار سے آپؑ کا دایاں ہاتھ جس میں مشکیزہ
تھا کٹ کر لٹک گیا۔ آپؑ نے مشکیزہ بائیں ہاتھ میں لے لیا مگر کسی نے
اس ہاتھ پر بھی وار کیا۔ اب آپؑ نے مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا۔
ناگاہ کسی ناخدا ترس نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ مشکیزہ میں سوراخ
ہوگیا اور سارا پانی بہ گیا۔

حضرت عباسؓ علمدار کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبرؓ کے اصرار پر حضرت امامؑ نے خود اُن کو مسلح کیا اور یہ کہکر میدانِ جنگ کی طرف روانہ کیا۔

"علی اکبر جاؤ تمہیں بھی خدا کے سپرد کیا"۔

حضرت علی اکبرؓ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شکل وصورت میں بہت مشابہ تھے۔ رفتار گفتار سب میں ایک قسم کی مشابہت تھی۔ آپ میدانِ جنگ میں پہونچے تو معلوم ہوتا تھا کہ رسالتمآب صلعم بدر وحنین میں تشریف فرما ہیں۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔

یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی!

یہ جو صورت ہے تیری صورتِ جاناں ہے یہی!

انہوں نے یزیدی فوج میں خلفشار پیدا کر دیا اور ایک مرتبہ

عمروسعد کے قریب پہونچ گئے۔ اور بولے اے عمروسعد تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں اگر نہیں جانتا ہے تو جان لے اور ہمارے خاندان کے رتبہ کو پہچان لے۔

محکم بن طفیل اور ابن نوفل نے ایک حصہ فوج کے ساتھ آپؓ کے روکنے کی کوشش کی مگر آپؓ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی اور نہایت دلیری سے دائیں بائیں تلوار چلاتے رہے۔ آخر یکبارگی حملہ ہوا اور آپؓ متعدد زخم کھا کر گر پڑے۔ حضرت امامؑ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے معاً قریب پہونچے اور حضرت علی اکبرؓ کے سر کو اپنے زانوے مبارک پر رکھ لیا۔ حضرت علی اکبرؓ نے ایک مرتبہ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ سر سید الصابرین کے زانوے مبارک پر ہے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

روایت ہے کہ حضرت علی اکبرؓ کی شہادت کے بعد

حضرت امامؑ نے فرمایا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اب میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔"

کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ فرض کیسا تھا اور کس کو معلوم ہے کہ اس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کی شان کیا تھی اور کوئی ہے جو راہِ خدا میں اپنے لال کو

اس طرح قربان کرے؟ اور اس دل و گردہ کا مظاہرہ کرے؟

یہ حضرت امامؑ ہی کی شان تھی۔

حضرت علی اکبرؓ امام حسین علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے

تھے ان کے بعد دو اور باقی رہ گئے تھے ایک حضرت امام زین العابدینؓ

جو بیمار تھے اور ایک حضرت علی اصغرؓ جو مولودِ تازہ اور شیر خوار تھے۔

قدرت نے حضرت زین العابدینؑ کو تو بیمار ڈال دیا تھا۔

تاکہ میدانِ جنگ میں جانے سے بچ جائیں اور حضرت امامؑ عالیمقام کی نسل جاری رہے۔ تاہم یہ اپنی جگہ پر بیقرار تھے اور اپنی اس حالت پر غمگین کہ میدانِ جنگ میں جانے سے معذور ہیں۔

دنیا میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں، اہم سے اہم قربانیاں پیش کی گئی ہیں مگر کیا تاریخ کوئی مثال ایسی بھی پیش کر سکتی ہے؟

سلسلۂ رسل و رسائل، اقربا و احباب کی کمک تو الگ رہی کیا محاصرۂ آب کی اہمیت کو بھی کوئی نظر انداز کر سکتا ہے۔ تین دن کے اندر معلوم نہیں کس پر کیا گزر گئی تھی مگر اِن اللہ کے بندوں نے حیرت ہے کہ حق پرستی کے جذبہ میں سب کچھ بخوشی جھیل لیا۔

مولودِ تازہ حضرت علی اصغر کا بھی پیاس سے بُرا حال تھا۔ اس بے زبان کی آخر کس زبان سے تسلّی و تشفّی کی جاتی؟ حضرت امامؑ

خیمہ میں تشریف لائے اور اپنی بہن سے فرمایا کہ اصغر کو میرے پاس لاؤ میں اسے فوج کے پاس لیجاؤں گا۔ اس کی معصومانہ حالت دکھاؤں گا اور پانی طلب کروں گا۔

چنانچہ آپؑ نے اُن کو گود میں لیا اور میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور عمر وسعد کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"اے یزید کے طرفدارو! تم نے میرے مرتبہ کو نہیں پہچانا۔ تم نے میرے نونہالانِ چمن کو پامال کیا۔ لیکن میں نے تم سے اس کی شکایت نہیں کی۔ اب میں اس معصوم بچے کو لیکر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر تمہارا گنہگار ہوں تو میں ہوں۔ میرے بچوں نے تمہارا کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ اگر تھوڑا سا پانی اسکو پلا دوگے تو نہرِ فرات میں سے کم نہ ہو جائیگا۔ تم میں بھی اکثر لوگ صاحبِ اولاد ہیں۔ ذرا دہ اپنے اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ بچوں کی مصیبت کس درجہ ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ آج تم میرے بچے کو پانی کے چند قطرے دوگے تو کل میں تمہیں اور تمہارے بچوں کو حوضِ کوثر پر اپنے ہاتھ سے سیراب کردونگا۔"

اس اپیل کا پہلا جواب یہ تھا۔

"اے حسینؑ بس اب اپنی بیکسی کی داستان بیان نہ کرو۔ پانی کی امیّد نہ رکھو۔ تم ہو خواہ تمہارے بچے ہوں، کسی کو پانی نہیں

دیا جائے گا۔ اور سُن لو کہ تمہاری درد بھری یہ باتیں ہمارے دلوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتیں۔"

اور دوسرا جواب حُرملہ بن کاہل کا ایک تیر تھا جو حضرت علی اصغرؑ کے گلے میں پیوست ہو گیا۔ بچہ باپ کی گردن سے لپٹ گیا اور فوراً جان نکل گئی۔ آپؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ تیر کو بچے کے گلے سے کھینچا اور اسی حالت میں گلے سے لگائے ہوئے خیمہ میں لے آئے اور اس کی ماں کی گود میں دیدیا۔

کیا کوئی اب بھی کہہ سکتا ہے کہ یزید اور یزیدی ظالم نہ تھے' ان پر کوئی ذمہ داری نہ تھی اور ان پر کوئی الزام نہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!

تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں!

وَالعَصرِ ۙ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ ۙ
اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ

مقاصدِ عظمیٰ

کے لئے

شہادتِ کبریٰ

سرِ خاکِ شہید برگ ہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملّتِ ما سازگار آمد!

مقاصدِ عظمیٰ کیلئے شہادتِ کبریٰ

اب کوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے سوا ایسا باقی نہیں رہا جو میدانِ جنگ کو جاتا۔ اس لئے قطبِ جہاں اور مرکزِ حق نے خود جنبش فرمائی۔ پہلے بیمار بیٹے حضرت زین العابدین کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔

"بیٹا! اب میں بھی رخصت ہوتا ہوں۔ ہمارے بعد جو مصیبت پیش آئے مردانہ وار اس کا مقابلہ کرنا اور اہلبیت کی حفاظت کرنا"

حضرت زین العابدینؓ نے رو کر فرمایا۔

"بابا جان! کیا میں ایسا بدبخت ہوں کہ آپؑ میرے سامنے سر کٹائیں اور میں اپنی جان آپؑ کے سامنے نثار نہ کروں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پہلے مجھے اجازت ہو"

حضرت امام کا ارشاد ہوا۔

"جانِ پدر! تم میرے بعد سادات کی یادگار ہو گے۔ میرے اور

نانا جان کے جانشین ہو گے۔ دنیا تم سے فیض پائے گی۔

مشیّتِ ایزدی یہی ہے۔ اور جب مدینہ پہنچنا تو نانا جان کے

روضہ پر حاضر ہونا۔ میرا سلام کہنا، ساری داستانِ کربلا سنانے کے بعد یہ بھی کہنا

یہ سب اس لئے ہوا کہ حسینؑ نے یزید کی بیعت کو دین و ایمان کیلئے ذلت سمجھا۔

نانا جان! حسینؑ اگر یزید کی بیعت قبول کر لیتا تو آپؐ کے

خاندان پر ہمیشہ کے لئے الزام لگ جاتا۔ اس لئے قربان ہو گیا۔

لیکن زندگی کے آخری لمحے تک وہ حق پر قائم رہا۔

نانا جان! کیا اب بھی آپ اپنے حسینؑ سے خوش نہیں ہیں اور کیا

اُسے ملّتِ ابراہیمی کا سچا پیرو نہیں سمجھتے۔"

اللہ اللہ! کیا تقریر ہے دل میں گھسی جاتی ہے۔ کلیجے میں چُبھی جاتی ہے اور روح میں پیوست ہوئی جاتی ہے؛

اہلبیت رونے لگے، عورتوں نے رکاب پکڑ لی۔ مگر آپ نے اُن کا کچھ خیال نہ کیا۔ سب کو خدا کے سپرد کیا اور بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہکر میدانِ کارزار میں آئے اور سرِ میدان مردانہ وار نیزہ زمین پر گاڑ کر بفصاحتِ تمام فرمایا۔

"لوگو! میری بات سنو! جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو اپنا عذر پیش کرنے دو۔ اپنی آمد کا سبب بیان کرنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو، اور تم اُسے قبول کر سکو، میرا بیان سچا ہو اور تم میرے ساتھ انصاف کر سکو تو یہ تمہارے لئے سعادت کا باعث ہوگا۔ اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے۔ لیکن اگر

سُننے کے بعد تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے

انکار کر جاؤ، تو پھر مجھے کسی بات پر بھی اصرار نہیں۔ تم اور تمہارے

ساتھی ایکا کر لو۔ مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ مجھے مُہلت نہ دو۔

میرا مالک، میرا پُشت پناہ، ہر حال میں میرا اللہ ہے

جس نے قرآن نازل کیا اور جو نیکو کاروں کا حامی ہے۔

لوگو! میرا حسب و نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟

پھر اپنے گریباں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب

غور کر لو۔ کیا تمہارے لئے میرا قتل اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا

روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟

اُس کے عمِ زاد اور اس کے جانشین کا اور امیر المومنین کا بیٹا

نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا حمزہ بن عبدالمطلب میرے

باپ کے چچا نہیں ؟ کیا ذوالجناحین جعفرِ طیّار میرے چچا نہیں ؟ کیا تم نے رسول اللہ صلعم کا مشہور قول "سَیِّدا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃ" میرے اور میرے بھائی کی شان میں نہیں سنا۔

اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے ؟ لیکن اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو ابھی ایسے لوگ باقی ہیں جن سے میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو' ابوسعید خدری سے پوچھو' سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو' زید بن ارقم سے پوچھو اور انس بن مالک سے پوچھو وہ تمہیں

بتائیں گے کہ میں نے جو کچھ کہا، صحیح کہا ہے۔

کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟

اگر اس کے بعد بھی تمہیں یقین نہ آئے تو کیا اس واقعہ میں بھی

شک کرو گے کہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں؟ واللہ اس وقت

روئے زمین پر میرے سوا کسی نبیؑ کی بیٹیؓ کا بیٹا موجود نہیں میں

تمہارے نبیؐ کا بلاواسطہ نواسہ ہوں۔

کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کا خون

کیا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کیوں کیا بات ہے؟ آخر میرا

قصور کیا ہے؟

جواب دو! بولو!

حضرت امامؑ کے بار بار پوچھنے پر بھی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور لاجواب

بات کا جواب ہو بھی کیا سکتا تھا۔

اور اگر کوئی جواب تھا تو یہ کہ ابن سعد نے اس کے ساتھ ہی ایک تیر آپؑ کی طرف پھینکا اور اپنی فوج کے لوگوں سے کہا

"تم لوگ اس بات پر گواہ رہنا کہ پہلا تیر میں نے پھینکا ہے"

آپؑ اس وقت کرتا پہنے تھے اور عمامہ باندھے تھے۔

عبداللہ بن عمار۔ جو یزیدی فوج کا ایک سپاہی ہے ان لفظوں میں آپؑ کی شجاعت کا بیان کرتا ہے۔

"واللہ! حسینؑ کے سوا میں نے کبھی ایسا کوئی مصیبت زدہ نہیں دیکھا جس کے خاندان کے سارے افراد اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گئے ہوں اور وہ ایسا شجاع' ثابت قدم' مطمئن اور جری ہو۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن

اس طرح بھاگ نکلتے تھے جس طرح بکریاں شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہیں۔

حصین بن تمیم نے تیر چلایا جو آپؑ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ آپؑ نے تیر کھینچ لیا۔ دونوں چلّو خون سے بھر گئے۔ آپؑ نے خون آسمان کی طرف اُچھالا۔ اور پھر ایک مرتبہ یزیدی پیدل فوج پر برس پڑے۔ شمر بن ذی الجوشن نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا تمہارا بُرا ہو۔ کیا دیکھ رہے ہو۔ کیوں حسینؑ پر یکبارگی ٹوٹ نہیں پڑتے۔

حضرت امامؑ نے کہا

"بزدلو! کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو اُبھارتے ہو؟ واللہ! میرے بعد کسی آدمی کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا۔

بخدا! مجھے یقین ہے کہ خدا تمہیں ذلیل کرے گا اور مجھے
عزت بخشے گا۔ تم سے میرا بدلہ لیا جائے گا۔ میرے قتل سے
تمہارے اندر پھوٹ پڑ جائے گی۔ تمہارا خون پانی کی طرح
بہے گا۔ یہ بھی کافی نہ ہوگا بلکہ خدا تمہیں دُہرے عذاب
میں مبتلا کر دے گا۔"

مگر اب وقت آ چکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپؑ کا بایاں ہاتھ
تلوار سے زخمی کیا۔ آپؑ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ خوف و دہشت
سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزے کا ایسا وار کیا کہ آپؑ
زمین پر آ رہے پھر اُس نے آپؑ کا سر تن سے جُدا کر کے خولی بن یزید کے حوالہ کر دیا۔
آپؑ کے جسم پر ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ گھاؤ تلوار کے تھے۔ اس کے
بعد سلب و نہب کی باری آئی اور جسدِ مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا۔
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن ۰

آپؓ کی شہادت کے بعد

اللہ والوں کا قافلہ جو گھر سے بھرا پورا چلا تھا۔ یزیدیوں کے پاس پہونچکر اس نوبت کو پہونچا کہ صرف تین بچے بچ گئے۔ علی بن الحسین[۱] حضرت امام زین العابدینؓ۔ حسن بن حسنؓ[۲] اور عمرو بن حسنؓ[۳]۔

یزیدی مقتولین کی نماز جنازہ عمر بن سعد نے پڑھائی اور اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر روانہ ہوگیا۔ شہداء کا لاشہ دو دن تک بے گور و کفن رہا

طمعِ فاتحہ از خلق نداریم نیاز
عشقِ من در پسِ من فاتحہ خوانم باقیست!

دوسرے دن بنو اسد ایک قریبی گاؤں غاضریہ نامی سے آئے تو

انھوں نے حضرت امامؑ کے لاشۂ مطہرؑ کو کربلا کے میدان میں دفن کیا لیکن فرقِ مبارک مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اور آپؑ کے رفقا بھی اسی میدانِ کربلا میں دفن ہوئے جو آج تک گنج شہیداں کے نام سے مشہور رہے۔

ابن زیاد اور علی ابن حسینؓ

جب لٹا ہوا قافلہ ابن زیاد کے پاس پہنچا ہے اور اس کو معلوم ہوا ہے کہ حضرت امامؑ کے ایک فرزند زندہ[1] بچ گئے ہیں تو اس نے حضرت امام زین العابدینؓ سے پوچھا کہ علی بن الحسینؓ کے مرنے کی خبر مجھے ملی ہے۔ تم کون ہو۔ اس پر حضرت امام زین العابدین نے فرمایا۔ "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا، لوگوں نے ان کو مار ڈالا"۔

---

[1] اپنے خیال میں رسولؐ کے خاندان کا تو گویا یزیدی خاتمہ کر ہی چکے تھے۔

ابن زیاد۔ لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہے۔

اس پر حضرت امامؑ زین العابدین نے کہا، سچ ہے، اور یہ آیت پڑھی۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَ مَا کَانَ

اللہ ہی موت کے وقت جان نکالتا ہے، اور کوئی بھی اس کے حکم کے

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۵

بغیر نہیں مرتا۔

یزید اور علیؓ ابن الحسینؓ

کوفہ سے یہ قافلہ یزید کے پاس دمشق بھیجا گیا۔ یزید نے حضرت زین العابدین سے کہا۔

"اے علی! تمہارے باپؓ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق

بھلایا۔ میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے

ان کے ساتھ وہ کیا جو تم نے دیکھا۔"

حضرت امام زین العابدینؑ نے یہ آیت پڑھی۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ

تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔

اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم

عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ

افسوس نہ کرو اور فائدے پر مغرور نہ ہو۔

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ

خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یزید کے پاس ہی اس کا بیٹا خالد بھی بیٹھا تھا۔ اس لئے

اس نے چاہا کہ اس کا جواب وہی دے۔ مگر اس سے جواب

بن نہ پڑا تو آخر یزید نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ

تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے، وہ خود تمہارے ہاتھوں آتی ہے اور

وَیَعْفُوْ مِنْ کَثِیْرٍ ۝

بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر ہی دیتا ہے۔

مگر در اصل جواب نہ بیٹے سے بن پڑا نہ باپ سے۔ ہر دو مقام پر مصیبت کے معنٰی میں فرق ہے۔ ایک جگہ تو آزمائش کے لئے ہے جس پر اُجر متحقق ہے۔ اور دوسری جگہ بُرائی اور نقصان سے متعلق ہے۔

حسینیؓ اور یزیدی بچے کا مقابلہ

ایک دن یزید نے حضرت امام حسنؑ کے کمسن لڑکے عمروؓ کو بلایا اور

اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا عمرو! خالد سے لڑو گے۔
عمرو بن حسنؓ نے بھولے پن سے جواب دیا یوں نہیں۔ ایک چھری
مجھے دیدو اور ایک چھری اسے دیدو۔ پھر ہماری لڑائی دیکھو۔
یزید مسکرا کر رہ گیا۔

یزید اور حضرت زینبؓ

ایک موقع پر یزید نے حضرت زینبؓ سے کہا۔ دین سے
تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل گیا تھا۔ اس پر حضرت زینبؓ کڑک کر بولیں

"اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے
بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے، تو نے،
تیرے باپ نے اور تیرے دادا نے میراث پائی ہے"

اس پر یزید چین بہ جبیں ہوا تو ان کو اور زیادہ جوش آگیا۔

بے خوف ہو کر بولیں۔

"تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے، ظلم سے چین بہ جبیں ہوتا ہے۔ مخلوقِ خدا کو اپنی قوّت سے دباتا ہے۔

اے یزید! بدکاروں کا شیوہ یہ ہے کہ آیاتِ الٰہی کو جھٹلاتے اور اس کا استہزاء کرتے ہیں۔

اے یزید! کیا تو خیال کرتا ہے کہ جب ہم پر خدا کی وسیع زمین تنگ کر دی گئی ہے، ہمیں گھیر لیا گیا ہے اور ہم قیدیوں کی طرح ہانکے جا رہے ہیں تو ہم خدا کی نظر میں حقیر ہیں اور تو عزّت والا ہے؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ یہ سب اس لئے ہوا کہ تیرا رتبہ ہم سے سوا ہے۔ اس لئے تو فخر سے اپنا سر اونچا کرتا ہے۔ اکڑتا ہے، باتیں بناتا ہے۔ کیا تو اس پر

خوش ہو رہا ہے کہ دنیا تیرے آگے جھک گئی ہے؟

حالانکہ یہ محض ایک ڈھیل ہے جو خدا کی طرف سے

تجھے دی گئی ہے۔

لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ

کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے اُن کو بھلائی کے لئے ڈھیل دی ہے نہیں، بلکہ اُن کو اس لئے

خَيْرٌ لِاَنْفُسِهِمْ ط اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا

ڈھیل دی ہے تاکہ اُنکے گناہ میں اضافہ ہو جائے اور یہ تو ہے ہی

اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ٥

کہ اُن کے لئے اہانت والا عذاب ہے۔

بخدا اے یزید تونے اپنی ہی کھال پھاڑی ہے۔ اپنا ہی

گوشت نوچا ہے۔ تو عنقریب اس کا انجام اس دنیا میں بھی

اور مرنے کے بعد بھی دیکھ لے گا۔

لیکن بخدا اے دشمن خدا! میں تجھے اس قدر حقیر سمجھتی ہوں کہ

تجھے ملامت کرنا بھی عیب سمجھتی ہوں۔ مگر کیا کروں
آنکھیں اشکبار ہیں۔ سینے جل اُٹھے ہیں۔ ہمیں اس
گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا کیوں کہ حسینؓ
قتل ہو چکے ہیں۔ قسم خدا کی میں آج تک خدا کے سوا
کسی مخلوق سے بھی نہیں ڈری۔ میری فریاد اسی سے ہے
تو اب بھی جو کچھ کر سکتا ہے کر۔ اس میں کوتاہی نہ کر۔
اپنی کوشش ختم کر لے۔ جتنا بھی ہمیں ستا سکتا ہے
ستا لے۔ لیکن خدا کی قسم! جو برتاؤ تو نے ہم سے کیا
ہے اس کا عار تجھ سے کسی طرح بھی دور نہیں ہو سکتا'
خدا کا شکر ہے کہ اس نے نوجوانانِ جنت کے سردار حسینؓ
کی زندگی سعادت و مغفرت پر ختم کی' ان کے لئے جنت

واجب کردی۔ اللہ عزو جل سے میری التجا ہے کہ

شہیدانِ کربلا کے درجے بلند کرے۔ اپنا زیادہ سے زیادہ

فضل اُن کے شریک حال فرمائے۔ کیوں کہ وہی اصلی

پُشت پناہ اور حقیقی قوت و قدرت والا ہے۔"

یزید دم بخود رہ گیا۔ اس کے بعد ایک لفظ بھی نہ بولا۔

اجتہادی غلطی

ایک موقع پر یزید نے کہا۔ حسینؓ کے اجتہاد نے غلطی

کی اور پھر یہ آیت پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ۔ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ

اے اللہ تو مالک الملک ہے۔ جسے چاہتا ہے بادشاہت بخشتا ہے

وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے

وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ بھلائی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے

آفتاب کو چراغ دکھانا اسی کا نام ہے، کہاں حضرت امام اور کہاں یزید، قرآن فہمی کا کیا اچھا ثبوت دیا گیا ہے۔ اگر حکومت یابی کا یہی معیار ہے تو پھر فرعون و نمرود اور شداد وغیرہ نے کیا قصور کیا ہے ان کو بھی تو حکومت خدا ہی کے یہاں سے ملی تھی۔ پس وہ سمجھ جائیں کہ خدا کی رحمتوں سے نوازے گئے تھے، پھر ان پر یہ عذاب الٰہی کس لئے نازل ہوا۔ حضرت امامؑ تو خیر سے کیا اجتہادی

غلطی کرتے، غلطی اور ظلم تو اس کے حصّہ میں آیا جس پر آج تک لعنت برس رہی ہے۔

گوارا ہے اسے نظّارۂ غیر
خرد کی تنگ دامانی سے فریاد!

انجام

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

"حسینؓ کے قتل نے مجھ سے سارے مسلمانوں کو
ناراض کر دیا ہے۔ اُن کے دلوں میں میری عداوت
کا بیج بو دیا ہے۔ اچھّے بُرے سب مجھے بُری نظر
سے دیکھنے لگے ہیں۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ
(ابن سعد) پر خدا کا غضب ابن مرجانہ پر۔"

یہ الفاظ یزید کے ہیں۔ جو اُس نے اس واقعہ ہائلہ کے بہت
متصل کہے تھے جس سے نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں۔
یزید نے اس کے بعد جو حکومت کی اس کی مدت چار برس سے

بھی کم تھی اخیر رجب سنہ ۶۶ھ میں حاکم بنا اور ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو مرا۔ اتنے کے لئے اس نے اتنا بڑا ہنگامہ برپا کیا۔

سنہ ۶۶ھ میں مروان بن عبدالملک اموی کے خلاف مختار بن عبداللہ الثقفی نے خروج کیا اور کوفہ پر قابض ہوکر سنہ ۶۷ھ میں ان لوگوں کو چُن چُن کر تہ تیغ کیا جو یزید کی طرف سے حضرت امامؓ اور ان کے لوگوں سے لڑے تھے۔ ابن زیاد، عمر وسعد، شمر، قیس، خولی، سنان، عبداللہ بن قیس اور یزید بن مالک جو یزیدی فوج کے افسر اور اس خونیں ڈرامہ میں اصل کس اور ہیرو کا پارٹ ادا کرنے والے تھے۔ ایک ایک کرکے مارے گئے۔

کہتے ہیں کہ مختار نے ستر ہزار یزیدیوں کے سر

تن سے اتروائے اور اسی قدر لوگوں کو اپنے وقت میں سفاح عباسی نے قتل کرایا۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند!

ابن عمر ولیثی کہتے ہیں جب سر مصعب بن زبیرؓ کا عبدالملک کے آگے میں نے دھرا ہوا دیکھا۔ تو عبد الملک کو مخاطب کر کے کہا۔ عجب اتفاق ہے۔ کہ میں نے اسی دارالامارۃ کوفہ میں پہلے حضرت امام حسین علیہ السّلام کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا دیکھا تھا۔ پھر اسی جگہ ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے دیکھا۔ پھر مختار کا سر مصعب بن زبیر کے آگے دھرا دیکھا۔ اور پھر اسی جگہ اب مصعبؓ کا سر آپ کے روبرو

دھر ادیکھ رہا ہوں۔ اس دارالامارۃ سے خدا کی پناہ جہاں ایسے ایسے لوگوں کے سر کٹ کر آتے ہیں۔

عبدالملک نے کہا۔ ابنِ عمرؓ خدا تجھے یہاں پانچواں سر نہ دکھلائے۔ پھر حکم دیا کہ دارالامارۃ مسمار کر دیا جائے۔

سلامٌ

وقتِ نمازِ عصر ہے، خم ہے سرِ نیازِ عشق! — خاک ہے سجدہ گاہِ عشق، وشت ہی جا نمازِ عشق!

خوف سے اہلِ ظلم کے خانۂ حُسن چھوڑ کر — منزلِ عشق کو چلا، قافلۂ حجازِ عشق!

بڑھکے زمینِ عشق نے، لے لیے ناخدا کے پاؤں — آکے فرات کے قریب، رُک گیا خود جہازِ عشق!

بارشِ ناوکِ ستم، اور وہ پُشتِ مقتدی — اہلِ نظر پھڑک اُٹھے دیکھ کے یہ نمازِ عشق!

گیسوئے شہ کا سلسلہ دیکھ کہاں تلک گیا — سلسلۂ رسولؐ ہے سلسلۂ درازِ عشق!

دوشِ نبیؐ پہ خود کبھی، نوکِ سنان پہ سر کبھی — عشق کی بارگاہ میں، یوں ہوا سرفرازِ عشق!

لُوٹ رہے تھے پہلوان، حشر بپا تھا فوج میں — حُسن کا کام بھی کیا، واہ رے یکّہ تازِ عشق!

خاکِ شہیدِ عشق سے ہوتے ہیں دفع کُل مرض — دیکھیے خاک کا اثر، دیکھیے امتیازِ عشق!

پاؤں میں بیڑیاں ہیں اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار — عشق کی راہ طے کیے جاتے ہیں یکّہ تازِ عشق!

تیر کھنچے نہ ہو خبر، سُن لے نقیر کی مگر — فرق ہے جسم و روح کا، ایک ہے گو نمازِ عشق!

تو ہے گدائے حیدریؑ، حشر کے دن کا خوف کیا — تجھ کو کرے گا سرفراز تیرا گداز نوازِ عشق!

سُن کے جمیلؔ کا سلام شور بپا کا کیوں نہ ہو!
کس کا ہے دل، سُنے گا کون نوحۂ جاں گدازِ عشق!

قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن مجید

حیدرآباد دکن

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن

(حسب ارشاد جناب مصنف صاحب مدظلہ)

کتبہ محمد شفیع الدین محبوب رقم

(کوہیری)